تصاویر: نقوشِ تاریخِ اسلامی تصویری البم
MIS FOUNDATION
سیرت الانبیاء
قدم بہ قدم
عبداللہ فارانی
ایم آئی ایس پبلشرز

سیرت الانبیاء
قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

ناشر
ایم آئی ایس فاؤنڈیشن

سیرت الانبیاء
قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

طبع سوئم
جمادی الثانی / مئی
1432ھ / 2011ء

ملنے کے پتے

قرآن محل، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ 0321-5123698
محمد طارق، لاہور۔ 0321-4538727
منورالدین، چنیوٹ بازار، فیصل آباد۔ 0321-7693142
ادارہ اشاعت الخیر، حضوری باغ، ملتان۔ 0300-7301239
معاویہ لائبریری، مچھلی بازار، بہاولپور۔ 0333-6367755
ممتاز کتب خانہ، قصہ خوانی بازار، پشاور۔ 0314-9696344

ایم آئی ایس فاؤنڈیشن
523 سی بلاک، آدم جی نگر، کراچی
021-34931044, 34944448

فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایم آئی ایس فاؤنڈیشن کی جانب سے ایک اور کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب انبیاء کرام علیہم السلام کے سچے واقعات وحالات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے مؤلف بچوں اور بڑوں کے مشہور ومقبول مصنف جناب عبداللہ فارانی صاحب ہیں، جنھوں نے اسے ایم آئی ایس ایف کے قارئین کے لیے خصوصی طور پر تحریر کیا ہے۔

اس کتاب میں ممکنہ حد تک کوشش کی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں محض مشہور وغیر مستند وغیر اسلامی اور اسرائیلی روایات سے گریز کیا جائے اور مستند ماخذ سے ہی مضامین کو اخذ کیا جائے۔

اندازِ تحریر میں عبداللہ فارانی کا خاص انداز قاری کے ذہن پر بوجھ نہیں پڑنے دیتا بلکہ مقصد کی بات ہلکے پھلکے انداز میں اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ یہ کتاب ایم آئی ایس کی دوسری کاوشوں کی طرح بچوں کے لیے خصوصاً اور بڑوں کے لیے عموماً نہایت مفید ثابت ہوگی۔ (ان شاءاللہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انبیاء کرام علیہم السلام جیسی جلیل القدر ہستیوں کے طفیل ہمیں بھی اپنے دین کی خدمت اور تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

امید ہے کہ اپنی قیمتی آراء اور کتاب میں نادانستہ اور باوجود کوشش کے رہ جانے والی اغلاط سے ہمیں مطلع فرمائیں گے۔

والسلام...... ڈائریکٹر ایم آئی ایس فاؤنڈیشن

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! سب سے پہلے "سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم" کا عنوان ذہن میں آیا تھا۔ جب یہ سلسلہ مکمل ہوا تو بے ساختہ اگلا عنوان "خلافتِ راشدہ قدم بہ قدم" ذہن میں چلا آیا...... اور میں نے سوچے سمجھے بغیر یہی نام رکھ دیا۔ خلافت راشدہ کے بعد ائمہ اربعہ قدم بہ قدم لکھی گئی اور پھر عمر ثانی قدم بہ قدم۔ اس کے بعد بچوں کا اسلام میں امہات المومنین قدم بہ قدم جاری ہے۔

یہ قدم بہ قدم کچھ ایسا لوگوں کو بھایا اور اس قدر مقبول ہوا کہ اب ادھر ادھر سے کچھ حضرات مجھ سے کچھ کتابیں لکھوانے کے لیے پر تولنے لگے...... اور شرط ان کی یہی ہے کہ بس نام کے ساتھ قدم بہ قدم ضرور لکھا جائے...... مجھے زندگی میں کس کس نام کے ساتھ قدم بہ قدم لگانا پڑے گا، کچھ نہیں کہہ سکتا...... تاہم کم از کم تین نام اب تک تین عدد پبلشرز حضرات بک کروا چکے ہیں...... گویا کم از کم تین اور کتابوں پر آپ کو قدم بہ قدم لکھا نظر آئے گا۔

لیجیے! سیرت الانبیاء علیہم السلام قدم بہ قدم کی بات تو رہ ہی گئی...... اصل میں تو یہ دو باتیں اسی کی ہیں...... یہ بات رہ اس لیے گئی کہ "بچوں کا اسلام" میں یہ سلسلہ شائع نہیں ہوا...... یہ تو ایم آئی ایس ایف کی فرمائش پر لکھا گیا ہے...... یعنی انہوں نے کہا تھا کہ آپ "بچوں کا اسلام" سے الگ بھی کوئی کتاب لکھ کر دیں...... میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا انبیاء قدم بہ قدم لکھ دوں...... انہوں نے فوراً ہی منظور کر لیا...... سو سیرت الانبیاء قدم بہ قدم آپ کے ہاتھوں میں ہے...... اس پر رائے دینا آپ کا کام ہے...... لہٰذا انتظار رہے گا۔

والسلام...... عبداللہ فارانی

حضرت آدم علیہ السلام

انسانوں سے پہلے زمین پر جنات آباد تھے۔ یہ کئی ہزار سال تک حکومت کرتے رہے۔ آسمان پر آتے جاتے تھے۔ زمین کی فصلوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر انہوں نے زمین پر قتل وغارت گری شروع کردی۔ ان کی خون ریزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا:

''جنات کو زمین سے دور کردو تاکہ ان کے فساد سے زمین پاک ہوجائے۔''

اللہ کا حکم سنتے ہی فرشتوں نے جنات کو مار مار کر پہاڑوں، جنگلوں اور جزیروں میں پہنچا دیا۔ ابلیس یعنی شیطان بھی ان میں شامل تھا۔ اس کا نام عزازیل تھا۔ اپنے علم اور عبادت کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے جنات سے بڑھ چڑھ کر ممتاز......اور فرشتوں میں رہتا تھا۔ جب جنات کو مار مار کر پہاڑوں وغیرہ پر دھکیل دیا گیا تو یہ فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گیا۔ اس نے باری تعالیٰ سے عرض کیا:

''یا باری تعالیٰ! میں اور میری اولاد ان فسادات میں شریک نہیں تھے۔''

فرشتوں نے بھی اس کے علم اور عبادت کی وجہ سے اس کی سفارش کی۔ اس طرح یہ فرشتوں کی مار سے محفوظ رہا اور اسے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف دھکیلا نہ گیا۔ اب یہ فرشتوں کے ساتھ رہنے لگا اور اللہ تعالیٰ کی پہلے سے بھی زیادہ عبادت کرنے لگا......ساتھ خود کو زمین کا مالک سمجھنے لگا...... کیونکہ اور تو کوئی جن رہ نہیں گیا تھا۔

اب اس نے کیا طریقہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ جب فرشتوں کو کوئی حکم دیتے تو یہ بھی سن لیتا اور ان سے پہلے لپک لپک کر وہ کام انجام دے ڈالتا...... یا فرشتوں کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا۔ اس طرح آسمان میں فرشتوں کے درمیان اس کی قدر میں اضافہ ہو گیا۔ ان حالات میں یہ امید کرنے لگا کہ اب اللہ تعالیٰ اسے زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرشتوں تک پہنچا:

''بے شک میں زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''

اس ارشاد سے اس نے جان لیا کہ یہ قدر اور منزلت اللہ تعالیٰ اسے نہیں دے گا۔ اس طرح اس میں حسد کا مادہ پیدا ہوا۔ (تفسیر عزیزی)

اللہ تعالیٰ نے جنات کو لو والی آگ سے پیدا فرمایا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اللہ رب العزت نے فرشتوں سے فرمایا:

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔''

اللہ رب العزت کا یہ اعلان سن کر فرشتوں نے جان لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندے ہوں گے۔ ان کی پیدائش سے پہلے ہی منادی کر دی گئی ہے...... اور یہ کہ وہ اللہ کے نائب ہوں گے۔ یہاں تک تو انہوں نے کچھ نہ کہا، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر میں شہوت اور غصہ وغیرہ رکھے گئے ہیں تو انہوں نے نہایت انکساری سے عرض کیا:

''الٰہی! ایسے شخص کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ تیری تسبیح کے لیے ہم فرشتے موجود ہیں، یہ زمین میں فساد کرے گا، خون بہائے گا اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں...... تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔''

فرشتوں نے یہ بات اعتراض یا حسد کی بنیاد پر نہیں کہی تھی۔ انہوں نے جنات کی

حرکات کو دیکھا تھا...... اس لیے یہ بات کہی تھی...... فرشتے چونکہ نوری مخلوق ہیں...... ان میں حسد اور غصہ وغیرہ ہے ہی نہیں جب کہ اور ہر مخلوق میں یہ چیزیں ہیں۔ اس لیے انہوں نے یہ بات کہی تھی...... اس پر پروردگار نے فرمایا:

''تمہارا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان میں انبیاء، صدیقین، شہداء، عابدین، زاہد، اولیاء اور نیکوکار ہوں گے...... جو میرا قرب حاصل کرنے والے ہوں گے...... ان میں علماء اور صلحاء ہوں گے، پرہیز گار ہوں گے......''

پھر پروردگار نے فرشتوں سے کہا:

''زمین سے ہر رنگ کی مٹی، سفید، سرخ، سیاہ، نرم، سخت، شور والی، ہر طرح کی ایک ایک مٹھی مٹی اٹھا کر لے آؤ۔ میں ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام زمین پر اترے اور چاہا کہ ایک مٹھی اٹھا لیں۔ اس وقت زمین نے پوچھا:

''آپ کس لیے یہ مٹی اٹھا رہے ہیں۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

''حق تعالیٰ اس سے ایک مخلوق پیدا کرے گا۔ وہ زمین پر رہے گی۔ اس میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی...... ان کے واسطے ثواب اور عذاب ہوگا۔''

اس پر زمین نے کہا:

''میں اللہ تعالیٰ کی عزت کی پناہ پکڑتی ہوں...... تو مجھ سے مٹی نہ اٹھا، کیونکہ کچھ لوگ نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں جلیں گے۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین کی فریاد سنی تو واپس لوٹے اور عرض کیا:

''الٰہی! زمین تیری عزت کی پناہ چاہتی ہے۔ میں تیرے نام کی عزت سے مٹی نہ اٹھا سکا۔''

اس پر حق تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ بھی اسی طرح واپس آ گئے۔

ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔انہوں نے زمین کی بات نہ سنی اور بولے:

''میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو تیری مرضی پر نہیں چھوڑ سکتا۔''

موت کے فرشتے مٹی لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میں روحوں کو قبض کرنے کا کام تیرے سپرد کرتا ہوں۔''

اب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''اس مٹی کو زمین پر ایک خاص جگہ پر رکھو۔''

اللہ تعالیٰ کی نشاندہی پر مٹی وہاں رکھ دی گئی۔ یہ جگہ خانہ کعبہ کہلائی۔یعنی بعد میں اسی جگہ خانہ کعبہ بنایا گیا۔اب اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر چالیس روز تک بارش برسائی۔فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مٹی کا گارا بنایا...... پھر اس گارے کو خشک کیا گیا جیسا کہ کمہار برتن خشک کرتا ہے۔ پھر وہ برتن آواز دیتا ہے۔اب اس گارے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا خوب صورت قالب بنایا۔فرشتے اس قالب کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔اس کے ارد گرد چکر لگانے لگے۔

ابلیس بھی اس قالب کو دیکھنے کے لیے آیا۔دیکھنے کے بعد اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا:

''یہ جسم اندر سے خالی ہے۔اس میں جگہ جگہ خلل ہیں۔''

وہ قالب چالیس سال تک یونہی پڑا رہا۔تب اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا:

''اے روح! اس جسم میں داخل ہو جا۔''

جب روح اللہ رب العزت کے حکم سے اس بدن میں سر کی طرف سے داخل ہوئی تو جہاں جہاں تک روح پہنچتی گئی، وہ خاکی بدن جو پہلے ٹھیکرے کی طرح تھا، گوشت پوست اور ہڈی کا بنتا چلا گیا۔ جب روح سینے تک پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنے کا ارادہ کیا، لیکن زمین پر گر گئے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''انسان جلد باز پیدا کیا گیا۔''

اسی حالت میں آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہوا، اس الہام کی بدولت انہوں نے کہا: ''الحمد للہ!''

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

اس کے جواب میں پروردگار نے فرمایا:

''یرحمک اللہ۔'' یعنی اللہ تیرے حال پر رحم کرے۔

پھر اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ ایک جوڑا لایا۔ وہ خوب سجا ہوا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو وہ جوڑا پہنا دیا گیا۔ یعنی انہیں عزت کے تخت پر بٹھا دیا اور وہ دن جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سارے بدن میں روح پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا: ''فرشتوں کے پاس جاؤ اور انہیں السلام علیکم کہو، پھر دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں؟''

آدم علیہ السلام یہ حکم پا کر فرشتوں کی طرف گئے اور ان سے کہا:

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یہی کلمات ہم نے تیرے اور تیری اولاد کے لیے مقرر کر دیے۔''

اب ربّ العزت نے ان کی کمر پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے جس قدر نیک بخت لوگ قیامت تک پیدا ہونے تھے، ان کی صورتیں حضرت آدم علیہ السلام کو دکھائیں۔ پھر دوسرا ہاتھ ان کی کمر پر پھیرا تو جتنے بد بخت لوگ قیامت تک پیدا ہونے تھے، انہیں آدم علیہ السلام کو دکھا دیا۔ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی صورتیں دیکھیں تو ان میں بڑا فرق نظر آیا...... ان میں خوبصورت، بدصورت، دولت مند، مفلس، لمبے قد والے، چھوٹے قد والے، اندھے، لولے لنگڑے غرض ہر طرح کے انسان تھے۔

اب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں کو جمع فرمایا اور ان سے عہد لیا:

''بتاؤ! کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟''

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

''بے شک تو ہمارا رب ہے...... ہم سب گواہ ہیں۔''

اس عہد کو میثاق کہتے ہیں۔ یہ عہد اس لیے لیا گیا کہ قیامت کے دن بنی نوع انسان یہ نہ کہنے لگیں:

''ہم تو اس سے بے خبر تھے۔''

اس عہد میں انسانوں سے کہلوایا گیا:

''ہم صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب پروردگارِ عالم نے آدم علیہ السلام کی اولاد نکالی تو اس طرح نکلی جیسے کنگھی کرنے سے بال کنگھی کے اندر ہو جاتے ہیں، اس میثاق میں فرشتے بھی گواہ ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی نسل نکلنے لگی، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فلاں فلاں تو جنتی ہیں، کیونکہ وہ اہل جنت کا ہی عمل کریں گے...... اور یہ دوزخی ہیں...... کیونکہ وہ دوزخیوں جیسا عمل کریں گے۔''

اس پر کسی نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! جب وہاں طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا وہی بندہ جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جس کے عمل جنتیوں کے ہوں گے اور دوزخی وہی ہو گا جو دوزخیوں کے کام کرے گا اور توبہ سے پہلے اسی عمل پر مر جائے گا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جب روحیں آدم علیہ السلام کے بدن سے ظاہر ہوئیں تو ہر انسان کے ماتھے پر ایک روشنی چمک رہی تھی۔ ساری نسل کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟''

اللہ جل شانہ نے فرمایا:

''یہ تمہاری نسل ہے۔''

ان میں سے ایک چہرے پر بہت زیادہ روشنی تھی۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ داؤد ہیں۔''

آدم علیہ السلام نے پوچھا: ''ان کی عمر کتنی ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ساٹھ سال۔''

اس پر حضرت آدم نے عرض کیا:

''اے پروردگار! میں اپنی عمر کے چالیس سال انہیں دیتا ہوں۔''

اس طرح حضرت آدم کی عمر چالیس سال کم کر دی گئی...... چنانچہ جب موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا:

''ابھی تو میری عمر کے چالیس برس باقی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یہ چالیس سال تو نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟''

آدم علیہ السلام نے انکار کیا۔ پس یہی انکار ان کی نسل میں رچ بس گیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام بھول گئے تھے، یہ بھول چوک اب آپ کی نسل میں بھی ہے۔ آدم علیہ السلام نے اپنی نسل میں بیمار، کوڑھی، برص والے، اندھے، کانے، لنگڑے لولے، بدصورت، خوبصورت، غرض سبھی طرح کے لوگ دیکھے، ان میں انبیاء سراپا نور تھے۔

اس میثاق یعنی عہد کے آسمان اور زمین بھی گواہ بنے تا کہ قیامت میں کوئی عذر نہ بیان

کر سکے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت آدم نے جب اپنی اولاد کی اتنی کثرت دیکھی تو پوچھا:

''اے پروردگارِ عالم یہ دنیا میں کس طرح سمائیں گے؟''

اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

''کسی کو زمین میں رکھوں گا (یعنی مر جائیں گے) اور کسی کو ماؤں کے پیٹوں میں رکھوں گا اور کسی کو باپوں کی پشت میں رکھوں گا۔''

جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہو گئے تو انہیں تمام چیزوں کا علم دیا گیا۔ چیزوں کی خاصیتوں کا علم دیا گیا۔ یہ علم نہ دیا جاتا تو وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کا حق ادا نہ کر پاتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

''اور اللہ نے چیزوں کے نام آدم کو سکھا دیے۔ پھر وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے رکھیں، پھر ان سے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔''

فرشتے جواب نہ دے سکے، کیونکہ بشری ضروریات کا انہیں کچھ علم نہیں تھا، نہ انہیں ان چیزوں کے بارے میں بتایا گیا تھا، لہٰذا انہوں نے کہا:

''آپ کی ذات پاک ہے۔ ہمیں معلوم نہیں مگر اسی قدر جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔ بلاشبہ آپ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں۔''

اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

''اے آدم! تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔''

آپ نے تمام چیزوں کے نام اور خواص بتا دیے۔ تب پروردگار نے فرمایا:

''میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو، سب مجھے معلوم ہے۔''

اب جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی برتری فرشتوں پر ثابت کر دی تو فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی تعظیم بجا لانے کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''آدم کے لیے سجدہ کرو۔''

پس سب نے سجدہ کیا مگر شیطان یعنی ابلیس نے انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ابلیس تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟''

ابلیس نے جواب دیا:

''میں آدم سے بہتر ہوں، مجھے آگ سے پیدا کیا گیا اور اسے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔'' اس نے غرور کیا۔ اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا، چنانچہ کافروں میں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا:

''نکل جا اس جگہ سے...... بے شک تو راندہ درگاہ ہے (یعنی تجھے دھتکار دیا گیا ہے) تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔''

یہ حکم سن کر شیطان نے کہا:

''اے میرے رب! مجھے اس دن تک کے لیے ڈھیل دے کہ جس دن اٹھائے جائیں مردے۔'' یعنی مجھے قیامت کے دن تک موت نہ آئے، موت کی سختی سے بچا رہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا:

''بے شک میں نے تجھے قیامت کے دن تک ڈھیل دی۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ وعدہ فرما لیا تو اس نے کہا:

''قسم ہے تیری عزت کی، میں ان سب کو گمراہ کروں گا، لیکن جو تیرے خاص بندے ہوں گے، جن پر تیری رحمت ہوگی، وہ مجھ سے بچ جائیں گے۔'' (سورۃ ص)

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میر بات بھی سچی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں اور ہمیشہ سچ کہا کرتا ہوں...... بے شک میں دوزخ کو تجھ سے اور تیرے ماننے والوں سے بھر دوں گا۔'' (سورہ ص)

اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ بھی فرمایا:

''تو نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے، اب تو ہمیشہ لعنتی رہے گا۔''

شیطان پر پھٹکار ڈالنے اور حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر کرنے کے بعد ان پر اونگھ ڈال دی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ فرشتوں نے حضرت آدم کی پسلی کو چیر کر حضرت حوا کو نکالا پھر پسلی کو سی دیا گیا۔ آدم علیہ السلام کو اس آپریشن کی خبر تک نہ ہوئی۔ ان کی آنکھ کھلی تو حضرت حوا کو اپنے پہلو میں دیکھا۔ اب ان دونوں کو حکم ہوا:

''اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو خوب کھاؤ، بس ایک درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ خوب کھاؤ پیو، جنت میں سکون اور اطمینان سے رہو، صرف ایک درخت کے قریب نہ جاؤ، یہ بھی دراصل ایک امتحان تھا۔

اس طرح دونوں جنت میں رہنے لگے...... ادھر ابلیس بہت بے چین تھا...... وہ بہت حسد محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ جنت میں داخل ہوا اور ان دونوں کے سامنے گیا۔ پھر ان سے کہنے لگا:

''تم جانتے ہو، تمہارا کیا انجام ہوگا۔ آخر کو تمہارے لیے موت ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

''موت کیا چیز ہے؟''

اس سوال کے جواب میں شیطان نے موت کی کیفیت بتائی...... اس کیفیت کو سن کر دونوں کو خوف محسوس ہوا۔ اب شیطان نے کہا:

''ایسی کیفیت سے محفوظ رہنے کے لیے اس درخت کا پھل کھانا ہوگا...... پھر تم پر موت نہیں آئے گی۔''

اسی درخت کے پھل کو کھانے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا تھا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا پھل کھانے سے انکار کر دیا۔ اس پر شیطان نے قسم کھا کر کہا:

''بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

آدم علیہ السلام نے اس کی قسم پر اعتبار کرلیا اور اس درخت کا پھل کھالیا۔ اس پھل کے کھاتے ہی دونوں کا لباس اتر گیا۔ پہلے دونوں ایک دوسرے کے بدن کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اب دونوں کو ایک دوسرے کا بدن نظر آنے لگا۔ اب دونوں درختوں کے پتوں سے اپنے بدن چھپانے لگے اور بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے آدم! میں نے تمہیں جنت بخش دی تھی۔ صرف ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا۔ اب تم یہاں سے زمین پر اتر جاؤ، وہاں ٹھہرو۔''

اس طرح حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین پر اتارا گیا۔ آپ کے ساتھ حجرِ اسود تھا اور جنتی درختوں کے پتے تھے۔ ان پتوں کو زمین پر پھیلا دیا گیا۔ ان سے خوشبودار درخت پیدا ہو گئے۔ جنت سے نکلنے کا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو بہت رنج تھا۔ وہ زمین پر آنے کے بعد بہت روئے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے:

حضرت آدم علیہ السلام اپنی توبہ کے غم میں دو سو سال تک روتے رہے (اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ آپ کتنا عرصہ تک روتے رہے) آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت آئی کہ ان الفاظ میں دعا مانگیں:

''اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آدم علیہ السلام سے جب گناہ (پھل کھانے والا) سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا تو توبہ کے سلسلے میں بہت پریشان تھے۔ ایسے میں انہیں یاد آیا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا تو اس وقت انہوں نے اپنا سر عرشِ عظیم کی طرف اٹھایا تھا۔ آپ نے وہاں لکھا پایا تھا:

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔“

تب آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے (جاننے کے باوجود) پوچھا:

”آپ کو ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟“

جواب میں آدم علیہ السلام نے فرمایا:

”میں نے پیدا ہونے کے بعد عرشِ عظیم پر آپ کے نام کے ساتھ ان کا نام دیکھا تھا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔“

(طبرانی، حاکم، بیہقی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آدم توبہ کے وقت کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی، پھر دعا کی تو پروردگارِ عالم نے توبہ قبول کر لی اور فرمایا:

”میں نے تجھے بخش دیا۔“

اس وقت بی بی حوا جدہ میں تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام توبہ قبول ہونے کے بعد میدانِ عرفات میں آئے...... حضرت حوا بھی وہیں آگئیں...... رنج اور غم اور مسلسل رونے کی وجہ سے ان کے رنگ سیاہ ہو گئے تھے...... ایک دوسرے کی پہچان تک نہ رہی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا اور اسی لیے اس میدان کا نام میدانِ عرفات مشہور ہو گیا۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی توبہ قبول ہو گئی پھر انہیں اطمینان ہو گیا۔ وہ سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اب ان کے ہاں اولاد پیدا ہونے لگی۔ ان کے ہاں بچے جوڑوں کی صورت میں پیدا ہونے لگے۔ جس بھائی کے ساتھ بہن پیدا ہوتی، دوسرے جوڑے سے اس کا نکاح کر دیا جاتا۔

قابیل اور ہابیل

ان دونوں بھائیوں کے واقعے کا تعلق بھی حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہے۔ بڑے بیٹے کا نام قابیل ہے، اس کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، وہ نہایت خوبصورت تھی۔ دوسری طرف دوسرا بھائی ہابیل پیدا ہوا، اس کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، وہ عام سی شکل کی تھی۔ اب قانون کے مطابق قابیل کا نکاح اس عام شکل وصورت کی لڑکی سے ہونا تھا اور ہابیل کا نکاح نہایت خوبصورت لڑکی سے۔ قابیل کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ خوبصورت لڑکی کا نام کتابوں میں اقلیمان آیا ہے۔ قابیل نے صاف کہہ دیا کہ اس کی شادی اقلیمان سے ہوگی۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

''تم دونوں اپنی اپنی قربانی پیش کرو۔ جس کی قربانی منظور ہوگی، اقلیمان سے اس کی شادی کردی جائے گی۔''

قربانی کے لیے ہابیل اپنے ریوڑ سے ایک بہترین دنبہ لے گیا۔ قابیل کی نیت خراب تھی، وہ خراب قسم کا غلّہ لے گیا۔ اس وقت ہوتا یہ تھا کہ جس کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول کرلیتا تھا، اس کی جنس کو ایک آگ آکر جلادیتی تھی۔ جس کی قربانی منظور نہ ہوتی، اس کی جنس کو وہ آگ نہ جلاتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ آئی اور ہابیل کے دنبے کو جلا گئی۔ قابیل کا رڈی غلّہ جوں کا توں پڑا رہ گیا۔ قابیل یہ توہین برداشت نہ کرسکا۔ اس نے طیش میں آکر کہا:

''اب میں تجھے قتل کردوں گا۔''

اس پر ہابیل نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تم نے مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو پھر بھی میں تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا...... بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو ساری مخلوق کا رب ہے، میں تو چاہتا ہوں تو میرا گناہ بھی اپنے ذمے لے لے۔ اس طرح تو دوزخیوں میں سے ہوجائے گا۔'' (سورۂ مائدہ)

قابیل نے ہابیل کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور موقعے کی تلاش میں رہنے لگا۔ آخر اسے موقع مل گیا۔ ہابیل جنگل میں ایک پتھر پر سر رکھے سو رہا تھا۔ قابیل آیا، اس نے ایک اور پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مار دیا۔ اس طرح اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ زمین پر سب سے پہلا قتل تھا۔

قتل تو اس نے کر دیا...... اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ لاش کو کیسے چھپائے۔ اس وقت تک آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی فوت بھی نہیں ہوا تھا۔ قابیل پریشان تھا کہ اب کیا کرے۔ ایسے میں پروردگار نے دو کوؤں کو بھیجا۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر زمین کرید کر گڑھا بنایا اور اس میں مردہ کوے کو رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈال دی۔ اس طرح اسے دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا۔

قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، لیکن قتل کر کے وہ بہت پچھتایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دنیا میں جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا ایک گناہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کی گردن پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتدا کی...... اور یہ ناپاک طریقہ جاری کیا۔" (مسند امام احمد)

پھر جس وقت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے بہشت کے پھلوں کی خواہش محسوس کی۔ کمزوری کی وجہ سے خود ان میں حرکت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا:

"تم خانہ کعبہ جاؤ، وہاں میرے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کے پھل مانگو۔"

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ اس وقت جو کوئی خانہ کعبہ میں جا کر دعا کرتا تھا تو دعا منظور ہوتی تھی۔ آپ کے بیٹے گھر سے روانہ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام دوسرے فرشتوں کے ساتھ ساتھ نازل ہوئے اور بیٹوں کو واپس حضرت آدم کے پاس لے آئے۔ حضرت حوا نے موت کے فرشتے کو دیکھا تو ڈر گئیں اور حضرت آدم کے قریب

ہونے لگیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"میرے اور میرے رب کے درمیان حائل نہ ہو۔"

اب حضرت عزرائیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کی۔ پھر آپ نے بیٹوں سے کہا:

"اب تم دیکھو، ہم جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ویسا ہی تم اپنے مُردوں کے ساتھ کیا کرو۔"

پھر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے غسل کے لیے خوشبوئیں ملائیں۔ جنت کی بیری کے لائے ہوئے پتوں والے پانی سے آپ کو غسل دیا۔ پھر بہشت کا کفن پہنایا۔ آپ کی اولاد نے جنازہ اٹھایا اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ انہوں نے نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔ آپ کو مسجدِ خیف میں دفن کیا گیا۔ قبر بغلی بنائی گی، مٹی ڈالنے کے بعد قبر کی شکل اونٹ کے کوہان جیسی بنائی گئی۔ (تفسیر عزیزی) (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

دنیا میں آپ کی کنیت ابوالبشر ہے، کیونکہ آپ سارے انسانوں کے باپ ہیں۔

☆☆

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں ان مقامات پر آیا ہے:

سورہ بقرہ پارہ اول رکوع 4، سورہ مائدہ پارہ 6 رکوع 5، سورہ اعراف پارہ 8 رکوع 2، پارہ 9 سورہ اعراف رکوع 24، پارہ 14 سورہ الحجر رکوع 3، پارہ 15 سورہ کہف رکوع 7، سورہ طٰہٰ پارہ 16 رکوع 7، پارہ 21 سورہ سجدہ رکوع 1، سورہ ص پارہ 23 رکوع 5، سورہ رحمٰن پارہ 27 رکوع 1۔

حضرت شیث علیہ السلام

ہابیل کی موت نے حضرت آدم علیہ السلام کو حد درجے غم زدہ کر دیا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک فرزند عطا فرمایا۔ آپ نے اس کا نام شیث رکھا۔ حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا۔ تفاسیر میں ذکر ملتا ہے۔ شیث علیہ السلام بہت خوبصورت تھے بلکہ آپ کی تمام اولاد سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام پر چند آسمانی صحیفے بھی اترے تھے۔ آپ ہابیل کی شہادت کے پانچ سو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ شکل و صورت اور سیرت کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہت رکھتے تھے۔

اپنی وفات سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے جنت کا ذکر سنتے رہتے۔ آپ کے زمانے میں لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو آپ کا فرماں بردار تھا، دوسرا گروہ وہ تھا جو قابیل کی اولاد کا پیروکار تھا۔ حضرت شیث علیہ السلام لوگوں کو یہ نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔

''سچا مومن وہ ہوتا ہے جس میں یہ باتیں پائی جائیں: اللہ کو پہچاننا، نیک اور بد کو پہچاننا، بادشاہ وقت کا حکم ماننا، ماں باپ کا من پہچاننا اور ان کی خدمت کرنا، صلہ رحمی کرنا، لوگوں سے نیکی اور محبت کرنا، غصے کو زیادہ نہ بڑھانا، محتاجوں اور مسکینوں کو دینا، ان پر رحم کرنا

،گناہوں سے پرہیز کرنا، مصیبت پر صبر کرنا، نعمت الٰہی پر شکر کرنا۔'' (معارج النبوت)

یہ تھی آپ کی نصیحتیں۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ آپ پر 50 صحیفے اترے تھے۔ جب آپ کا وقت پورا ہوگیا تو آپ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ آپ کی عمر نوسو بارہ سال تھی۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کو ''اخنوخ'' بھی کہا جاتا ہے۔نسب نامہ یوں ہے ادریس بن یارو بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام علیہما السلام۔قرآن کریم میں آپ کا ذکر پارہ 17 سورہ انبیاء اور پارہ 16 سورہ مریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور یاد کرو کتاب میں ادریس کا ذکر۔ بیشک وہ سچے نبی تھے اور اللہ نے انہیں بلند مرتبے پر پہنچایا یعنی ظاہری اور باطنی کمالات عطا فرمائے۔''

حضرت ادریس علیہ السلام جب بالغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت عطا کی۔ نبوت ملنے پر آپ نے شہر بابل کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو تبلیغ شروع کی۔شریر لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی البتہ ایک مختصر سی جماعت ضرور آپ پر ایمان لے آئی۔

وہاں سے آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ان کے پیروکار بابل میں رہتے تھے۔ بابل کے ساتھ ہی دریائے دجلہ اور فرات بہتے تھے،ان کی وجہ سے یہ تمام علاقہ سرسبز اور شاداب تھا......اور ان لوگوں کا یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ان کے ارادے کو بھانپ کر حضرت ادریس علیہ السلام نے ان سے کہا:

''گھبراؤ نہیں! اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ تمہیں

اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ صبر کرو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھک جاؤ۔"

آپ کے ان الفاظ کو سن کر وہ آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح آپ ان کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔ جب مسلمانوں نے دریائے نیل کی شادابی دیکھی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس وقت حضرت ادریس علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

"دیکھ لو! یہ جگہ تمہارے بابل کی طرح سرسبز اور شاداب ہے۔ دریائے نیل کے کنارے کوئی بہترین سی جگہ پسند کر لو اور وہیں ٹھہر جاؤ۔"

اس طرح یہ حضرات وہاں ٹھہر گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام نے یہاں بھی اپنا کام شروع کر دیا۔ دین کی تبلیغ شروع کر دی۔

حضرت ادریس علیہ السلام ہر طرح کی زبانیں جانتے تھے..... لوگ بھی مختلف زبانیں جاننے والے تھے۔ آپ نے انہیں دین کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ شہری زندگی گزارنے کے طریقے بھی سکھائے۔ آپ نے ہر طرف کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں دین کی تعلیم دی۔ جب یہ لوگ اپنے علاقوں میں واپس گئے تو انہوں نے شہر اور بستیاں آباد کیں۔ اس طرح اللہ کا دین چاروں طرف پھیل گیا۔ آپ کی تعلیم یہ تھی:

اللہ پر ایمان لانا، صرف اسی کی عبادت کرنا آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے نیک اعمال کرنا، تمام باتوں میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا، دنیا میں گھر نہ جانا، اللہ تعالیٰ کی عبادت مقررہ طریقوں سے کرنا، روزے رکھنا، جہاد کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، طہارت سے رہنا، کتے اور سور سے پرہیز کرنا، ہر نشہ آور چیز سے بچنا۔ یہ تھا خلاصہ حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیمات کا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا تھا:

"میری طرح اس عالم میں دینی اور دنیاوی اصلاح کے لیے بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے۔ وہ بری باتوں سے پاک ہوں گے، فضائل میں کامل ہوں گے، ان کی دعائیں قبول ہوں گی۔"

حضرت ادریس علیہ السلام بہت خوبصورت تھے۔آپ کا رنگ گندمی تھا۔قد و قامت پورا تھا۔آپ دبلے پتلے تھے۔آنکھیں سرگیں تھیں۔آپ کی گفتگو باوقار تھی۔خاموشی پسند تھے۔سنجیدہ طبیعت تھے۔نظریں نیچی رکھتے تھے۔خوب غور و فکر کے عادی تھے۔بار بار شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے والے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کی یاد اور نیک عمل کے لیے خلوصِ عمل شرط ہے۔جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔نہ اللہ کے نام کو قسمیں کھانے کے لیے استعمال کرو......نہ دوسروں کو جھوٹی قسمیں کھانے کے لیے کہو، اس طرح تم گناہ گار ہو جاؤ گے۔شریعت کے پابند بادشاہوں کی اطاعت کرو۔اپنے سے بڑوں کے سامنے باادب رہو۔اللہ کے ذکر سے اپنی زبان تر رکھو۔دوسروں کے عیش اور خوشی پر حسد نہ کرو۔''

آپ نے اللہ کے بندوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آنے والے طوفان سے ڈرایا اور فرمایا:

''ایک آسمانی آفت آنے والی ہے۔''

آپ کی عمر 42 سال تھی۔آپ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمایا۔آپ پر تیس صحیفے اترے۔آپ کے ہاتھوں بہت سی صنعتیں ایجاد ہوئیں۔(تفسیر حقانی)

آپ حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے گزرے ہیں۔(روح المعانی) قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا آپ ہی نے ایجاد کیا۔آپ سے پہلے جانوروں کی کھال کو بطور لباس استعمال کیا جاتا تھا۔سب سے پہلے ناپ تول کا طریقہ بھی آپ نے ایجاد کیا۔سب سے پہلے اسلحہ بھی آپ نے ایجاد کیا......اور اس اسلحے سے بنو قابیل سے جہاد بھی کیا۔(معارف القرآن، تفسیر مظہری)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام زمین پر پہلے رسول ہیں۔
آپ سے پہلے کسی کو رسالت نہیں ملی۔ آپ کو چالیس سال بعد نبوت عطا ہوئی۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے:
نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ بن یارو بن مہلل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔
قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر 43 جگہ آیا ہے، لیکن اس واقعے کی اہم تفصیلات سورہ اعراف، ہود، مؤمنون، شعراء اور سورہ نوح میں آئی ہیں۔
حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تمام قوم اللہ تعالیٰ کی توحید سے ناآشنا ہو چکی تھی۔ اللہ کی عبادت کی جگہ اپنے ہاتھوں سے بنائے بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ بتوں کو پوجنا ان میں رواج پا چکا تھا۔
حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت صرف اپنی قوم کے لیے تھی۔ ساری دنیا کے لیے نہیں تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عراق میں آباد تھی۔ آپ نے اپنی قوم کو جو دعوت دی تھی، وہ یہ تھی:
"اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تم

پر ایک بڑے عذاب کا ڈر ہے۔''

آپ کی اس دعوت کے مقابلے میں قوم کے سرداروں نے کہا:

''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔ ہمارے باپ دادا کے دین سے ہمیں نکالنا چاہتے ہیں...... اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور جزا اور سزا کے خیالات سب وہم ہیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ جواب کس قدر سخت تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام غضب ناک نہیں ہوئے۔ بلکہ سادہ الفاظ میں فرمایا:

''اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میں تمہارے باپ دادا کی رسومات کا پابند نہیں...... بلکہ میں تو اللہ رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں اللہ رب العالمین کی ہدایات کے مطابق کہتا ہوں...... اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں۔ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ نہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے نہ میری کوئی غرض۔''

ان الفاظ میں آپ نے رب العالمین کا لفظ ارشاد فرمایا۔ یعنی تمام جہانوں کا پالنے والا۔ اس ایک لفظ سے تمام غلط عقیدوں کی نفی ہو رہی ہے۔ آپ نے اس کے بعد فرمایا:

''تمہیں جو قیامت کے آنے میں شکوک و شبہات ہیں، اس کی وجہ تمہاری بے خبری اور ناواقفیت ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا یقینی علم دیا گیا ہے۔''

نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شبہ اور ظاہر کیا، وہ یہ کہ تم تو ہماری ہی طرح کے بشر ہو۔ ہماری طرح کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے ہو...... ہم کیسے مان لیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کو بھیجنا ہوتا تو وہ کسی فرشتے کو بھیجتا۔ ہم جانتے ہیں...... فرشتوں کو بڑائی اور بزرگی حاصل ہے۔ تم تو ہماری قوم کے ہو اور اصل بات تو یہ ہے کہ تم ہم پر اپنی بڑائی ثابت کرنا چاہتے ہو...... قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور جزا سزا کے خیالات سب فضول ہیں۔

اس بات کا جواب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دیا:

''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کا پیغام ایک ایسے شخص کے ذریعے آیا ہے جو تمہاری جنس کا ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈر جاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے''، یعنی اس کے ڈرانے سے تم خبردار ہو جاؤ اور اس کے نتیجے میں تم پر رحمت نازل ہو...... کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بشر کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اول تو حق تعالیٰ مختارِ کل ہیں جسے چاہیں، اپنی نبوت اور رسالت عطا فرما دیں، اس میں کسی کو چوں چراں کی مجال نہیں۔ اس کے علاوہ اصل بات پر غور کرو تو بات واضح ہو جائے گی۔ انسانوں کی طرف نبوت اور رسالت کا مقصد بشر ہی کے ذریعے پورا ہو سکتا ہے۔ فرشتوں سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر لوگوں کو لگا دیا جائے۔ لوگوں کو اس کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے سے روک دیا جائے...... ایسا جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کی جنس سے ان کو کوئی عملی نمونہ دکھایا جائے۔ اگر فرشتے یہ دعوت لے کر آتے تو اپنی مثال لوگوں کے سامنے رکھتے...... اس وقت لوگ ان سے کہتے کہ تم تو بشری تقاضوں سے پاک ہو...... نہ تمہیں بھوک لگتی ہے نہ پیاس، نہ نیند آتی ہے نہ تم تھکتے ہو...... تمہاری طرح بھلا ہم کس طرح بن جائیں...... لیکن ان میں جب ان ہی کی جنس کا کوئی بشر سب کچھ عملی طور پر کر کے دکھائے تو یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی عذر بیان نہیں کر سکتے۔

اسی لیے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جس کے ڈرانے سے متاثر ہو کر لوگ ڈر جائیں، وہ وہی ہو سکتا ہے جو ان کا ہم جنس ہو...... اور انہی کی طرح انسانی خصوصیات کا مالک ہو''

یہ باتیں کئی امتوں کے لیے کفار نے پیش کیں کہ کوئی بشر نبی یا رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم نے ان سب کو یہی جواب دیا ہے۔

افسوس! قرآن کریم کی اس قدر وضاحتوں کے باوجود آج بھی کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مانتے ہیں اور قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں۔

اس قدر واضح جواب کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ٹس سے مس نہ ہوئی...... ان کی نصیحت نے ان پر اثر نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی نصیحت اور خیر خواہی کی کوئی پروانہ کی اور برابر آپ کو جھٹلاتے رہے۔ بس چند لوگ ہی آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی قوم نے آپ پر ایک اعتراض یہ کیا:

''ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر ایمان لانے والے دیکھنے میں حقیر اور ذلیل لوگ ہیں۔ کوئی بڑا آدمی اور شریف آدمی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ ان کے یہ کہنے کا مطلب تھا کہ اگر تمہاری بات سچ ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اسے قبول کرتے۔ ان چھوٹے اور ذلیل لوگوں کا قبول کرنا اس بات کہ علامت ہے کہ آپ دعویٰ نبوت کے قابل نہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آتے ہیں تو ہم بھی ان چھوٹے لوگوں کے برابر ہو جائیں گے۔ نمازوں کی صفوں میں اور دوسری مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا... یہ ہم سے نہیں ہو سکے گا۔''

اور ایسا سمجھنا ان کی جہالت تھی۔ حقیقت میں چھوٹے اور ذلیل تو وہ لوگ تھے جو اپنے پیدا کرنے والے کو نہیں پہچان رہے تھے اور اس کے احکامات سے انکار کر رہے تھے:

ان کے اعتراضات کے جوابات میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے ہاتھ میں ہیں۔''

یہ کہنے کی وجہ یہ تھی کی ان لوگوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ جب یہ اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آئے ہیں تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے بھی ہوں گے، جن سے یہ لوگوں کو مالا مال کریں گے لیکن آپ نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے نہیں ہیں، نہ وہ اس لیے آئے ہیں کہ لوگوں کو مال و دولت میں الجھائیں...... خزانوں سے انہیں کیا کام۔

وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو تو حکومتی اختیارات دیے جاتے

ہیں۔اللہ کے خزانے ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔وہ جسے چاہیں، جتنا چاہیں، دے دیتے ہیں۔ان کے اس خیال کا جو جواب حضرت نوح علیہ السلام نے دیا،اس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کا اختیار کسی نبی کو نہیں دیا،اولیاء کا تو ذکر کیا۔اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات اور خواہشات اپنی قدرت سے پوری فرماتے ہیں۔

اب جاہلوں کا یہ بھی خیال تھا کہ جو شخص اللہ کا نبی یا رسول ہو کر آئے،اسے غیب کا علم بھی ہونا چاہیے۔آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

''میں غیب نہیں جانتا۔''

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں......''

ان لوگوں کا خیال تھا کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہیے......آپ نے یہ فرما کر ان کے اس خیال کی بھی نفی کر دی۔پھر ایک بات آپ نے ان سے یہ فرمایا:

''تم جن لوگوں کو حقیر اور ذلیل خیال کر رہے ہو،ان کے بارے میں میں تمہاری طرح یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا،خیر اور بھلائی کا تعلق مال و دولت سے نہیں بلکہ اس کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور دلوں کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔اللہ ہی جانتے ہیں کہ کس کا دل اصلاح کے قابل ہے اور کس کا اصلاح کے قابل نہیں ہے۔''

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''تم لوگوں کی طرح اگر میں بھی انہیں حقیر اور ذلیل کہنے لگوں تو میں بھی ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔''

آپ کی تعلیمات کی وجہ سے آپ کی قوم آپ کو گھیر لیتی اور مارنے پیٹنے لگتی۔وہ لوگ آپ کو اس قدر مارتے،اس قدر مارتے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے اور جب آپ بے ہوش ہو جاتے تو آپ کو ایک کمبل میں لپیٹ کر ایک مکان میں پھینک دیتے اور خیال کرتے کہ یہ مر گئے ہیں......آپ کو ہوش آتا تو آپ کھڑے ہوتے اور دوسرے دن پھر انہیں تبلیغ

کرنے لگتے...... ان کے لیے ان الفاظ میں دعا فرماتے:

''اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے، کیونکہ یہ نہیں جانتے۔''

مسلسل تبلیغ کرنے کے بعد بھی جب ایک نسل ایمان نہ لاتی تو آپ امید کرتے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے گا۔ وہ نسل بھی گزر جاتی تو آپ ان سے اگلی قوم سے امید باندھ لیتے...... اور اپنا کام جاری رکھتے...... ان نسلوں کی عمریں اتنی نہیں تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو معجزے کے طور پر عطا ہوئی تھی۔

اس طرح ان کی نسل در نسل گزرتی چلی گئی...... ہر آنے والی نسل پچھلی نسل کی نسبت زیادہ شریر اور بدتر ثابت ہوتی گئی...... مجبور ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دعا فرمائی:

''اے پروردگار! میں نے انہیں دن رات تیری طرف بلایا، ہر طریقہ اختیار کیا کہ یہ راہ راست پر آ جائیں، کبھی انہیں عذاب سے ڈرایا، کبھی ان کے سامنے جنت کی نعمتیں بیان کی تاکہ یہ ایمان لے آئیں، نیک عمل کرنے والے بن جائیں...... دین اور دنیا کی بھلائیاں انہیں حاصل ہو جائیں۔ کبھی میں نے آپ کی قدرت کی نشانیاں پیش کر کے انہیں سمجھایا مگر انہوں نے ایک نہ سنی...... دوسری طرف اے پروردگار، آپ نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ ان لوگوں میں جتنے لوگوں کو ایمان لانا تھا، وہ لا چکے...... اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لے کر آئے گا۔''

تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے۔ خاص طور پر ان کے پانچ بڑے بت تھے۔ ان کے نام وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ یہ پانچوں دراصل اللہ کے نیک بندے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں گزرے تھے۔ نیکی کا حکم دیتے تھے۔ ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد بھی لوگ ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات بجالاتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد شیطان نے انہیں ورغلایا۔ یہ بات ان کے ذہن میں ڈالی کہ تم جن بزرگوں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہو

،اگر ان کی تصاویر بنا کر سامنے رکھو تو تمہاری عبادت بڑی مکمل ہو جائے گی اور اس طرح عبادت میں خوب اثر ہوگا۔

یہ لوگ شیطان کے اس جال میں آ گئے۔ انہوں نے پہلے ان کی تصاویر بنائیں...... پھر تصاویر کی جگہ مجسموں نے لے لی...... اور پانچ بڑے بت بن گئے۔ ان کی باقاعدہ عبادت ہونے لگی۔ ان بتوں کو عبادت گاہ میں رکھ دیا۔ دنیا میں سب سے پہلی قوم حضرت نوح علیہ السلام کی تھی...... جنہوں نے بت پرستی کی ابتدا کی۔ یہ لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے اگلی نسل کو یہ پٹی پڑھا دی۔

''تمہارے بزرگوں کے معبود اور خدا یہی بت تھے...... وہ انہی کی عبادت کیا کرتے تھے...... لہٰذا تم بھی انہی کی عبادت کیا کرو۔''

اس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی شروع ہو گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ بات جان لی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا تو اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں عرض کیا:

''اے پروردگار! ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے...... ان کے جھٹلانے میں آپ میری مدد کریں۔''

اب چونکہ آپ کی قوم ظلم میں حد سے آگے گزر چکی تھی...... اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یوں خطاب فرمایا:

''اے نوح! آپ کی قوم میں سے جنہیں ایمان لانا تھا، وہ لا چکے اب کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا، اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، اس لیے اب آپ اس قوم کا غم نہ کھائیں اور ان کے ایمان نہ لانے سے پریشان نہ ہوں۔ اب ہم اس قوم پر پانی کا عذاب بھیجنے والے ہیں، اس لیے! آپ ایک کشتی تیار کریں، اس کشتی میں آپ اپنے اہل و عیال کو بٹھائیں اور جتنے لوگ آپ پر ایمان لا چکے ہیں انہیں بھی سوار کر لیں...... ان کی ضروریات کا سامان بھی ساتھ لے لیں تاکہ طوفان کے وقت سب اس

میں سوار ہو کر نجات پا سکیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک کشتی بنائی...... پھر جب طوفان کی علامات شروع ہو گئیں۔ یعنی زمین سے پانی ابلنے لگا تو اللہ پاک نے آپ کو حکم دیا:

"آپ اپنے اہل و عیال کو کشتی میں سوار کرا لیں اور ان لوگوں کو بھی جو آپ پر ایمان لائے......اور جو جانور انسانوں کی ضروریات ہیں، ان کا ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں سوار کرا لیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان سب کو کشتی میں بٹھا لیا۔ کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، گویا ساڑھے نو سو سال کی مسلسل تبلیغ کے بعد صرف چند لوگ ہی ایمان لائے تھے۔ وحی کے ذریعے پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ جتنے لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں بچا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

"جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے، ان کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں، ان کو پانی کے طوفان میں غرق کر دیا جائے گا۔"

اور ایسا حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کی وجہ سے تھا جو آپ نے مانگی تھی۔ اس دعا کے الفاظ یہ تھے:

"اے میرے پروردگار! آپ ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑیں۔ کیونکہ اگر یہ ایسے ہی رہے تو ان کی آئندہ نسلیں بھی یونہی سرکش اور فاجر ہوں گی۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ جب آپ کو کشتی بنانے کا حکم ملا، اس وقت آپ کشتی بنانا جانتے ہی نہیں تھے...... اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

"آپ کشتی ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق بنائیں۔"

احادیث میں ہے کہ جبرئیل امین نے وحی کے ذریعے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانا سکھایا۔ آپ نے چھال کی لکڑی سے کشتی بنائی۔ تاریخ کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے کہ اس

کشتی کی لمبائی تین سو گز، چوڑائی پچاس گز اور اونچائی تیس گز تھی۔ یہ تین منزلہ تھی۔ اس میں روشن دان بھی بنائے گئے تھے جو آمنے سامنے کھلتے تھے۔ اس طرح جہاز بنانے کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا۔

طب نبوی میں ذکر ملتا ہے کہ انسان کے لیے جتنی صنعتوں کی ضرورت تھی، ان سب کی ابتدا بذریعہ وحی کسی نہ کسی پیغمبر کے ذریعے عمل میں آئی۔ پھر زمانے کے ساتھ ساتھ ان ایجادات میں تبدیلیاں کی جاتی رہیں اور ترقی یافتہ شکل دی جاتی رہی۔ یہ سلسلہ بھی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ آپ کو زمین کی آباد کاری کے متعلق بتایا گیا۔ پیسے کی ایجاد بھی حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی:

اللہ تعالیٰ نے کشتی سازی کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا:

''آپ کی قوم پر پانی کا طوفان آئے گا۔ آپ اپنی شفقت کی وجہ سے ان کی سفارش نہ کیجئے گا۔''

حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے کشتی بناتے گئے۔ ان کی قوم کے سردار جب انہیں یہ کام کرتے ہوئے دیکھتے تو پوچھتے:

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔''

آپ جواب میں فرماتے:

''طوفان آنے والا ہے، اس لیے کشتی تیار کر رہا ہوں۔''

ان کی قوم ان کا مذاق اڑاتی اور کہتی:

''یہاں پینے کے لیے پانی نہیں ملتا...... کیا آپ خشکی میں یہ کشتی چلائیں گے؟''

اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرماتے:

''آج تم لوگ میرا مذاق اڑاتے ہو، ایک دن ایسا آئے گا جب خود تمہارا مذاق اڑے گا۔''

پھر جب کشتی تیار ہو گئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے ایمان لانے والوں کو اس میں

سوار کرالیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جب ہمارا حکم آیا تو تنور سے پانی ابلنے لگا۔''

بعض تفاسیر کے مطابق یہاں تنور سے مراد زمین کی سطح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پانی ابلنے کا مقام ''عین الوردہ'' تھا۔ یہ جگہ ملک شام میں تھی، بعض روایات میں آیا ہے کہ پانی ابلنے کا مقام کوفہ تھا۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''میں قسم کھا کر کہتا ہو کہ یہ تنور کوفہ شہر کے ایک کونے میں تھا...... اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی کوفہ کی مسجد کے اندر بنائی تھی۔ اسی مسجد کے دروازے پر تنور تھا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ لسلام سے فرمایا تھا کہ جب آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے گھر کے تنور سے پانی ابلنے لگا ہے تو سمجھ لیں، طوفان آ گیا۔'' (قرطبی، مظہری)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

''جب طوفان ابلنے لگا تو روٹی پکانے کے تنور سے بھی پانی نکلا، سطح زمین سے بھی ابلا، ملک شام میں عین الوردہ کے تنور سے بھی نکلا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہم نے آسمانوں کے دروازے موسلا دھار بارش کے لیے کھول دیے اور زمین سے چشمے ہی چشمے پھوٹ پڑے۔''

یہاں یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ اللہ پاک نے کشتی میں صرف ان جانوروں کو سوار کرنے کا حکم دیا جو پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ پانی میں زندہ رہ سکنے والے جانوروں کو سوار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مطلب یہ کہ کشتی میں دنیا بھر کے جانور سوار نہیں کئے گئے تھے:

کشتی میں کل کتنے لوگ تھے ان کی تعداد نہ قرآن پاک میں آئی ہے نہ احادیث میں۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ان کی تعداد اسّی تھی۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، سام، حام اور یافث اور ان کی تین بیویاں سوار تھیں۔ چوتھا بیٹا چونکہ آپ پر ایمان نہیں لایا تھا، اس لیے کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ جب کشتی پانی کی سطح پر بلند ہونے لگی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسے پکارا:

''اے میرے پیارے بیٹے، ایمان لے آ اور کشتی میں سوار ہو جا۔''

اس پر اس نے کہا:

''میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا، اس طرح میں غرق ہونے سے بچ جاؤں گا۔''

اس وقت دراصل طوفان کی ابتدا تھی۔ پانی ابھی اتنا اونچا نہیں ہوا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

''آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں'' یعنی نہ پہاڑی بچا سکے گی، نہ کوئی اور چیز، اللہ ہی رحم کرے تو اسے بچالے۔

اب چونکہ حضرت نوح علیہ السلام باپ تھے...... باپ کی طبیعت نے جوش مارا اور بیٹے کو طوفان میں گھرتے دیکھ کر پکار اٹھے:

''اے پروردگار! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے خاندان کو طوفان سے بچالیں گے، بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے، صورت حال یہ ہے کہ میرا بیٹا جو میرے گھر والوں میں شامل ہے، طوفان کی نذر ہو رہا ہے اور آپ تو احکم الحاکمین ہیں، ہر چیز آپ کی قدرت میں ہے، آپ اب بھی اسے طوفان سے بچا سکتے ہیں۔''

اللہ رب العزّت کی طرف سے فوراً حضرت نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی گئی:

''اے نوح! یہ آپ کے اہل و عیال میں داخل نہیں۔ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ اس کے بارے میں بغیر حقیقت کے جانے مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ نادانوں میں داخل نہ ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کے بارے

میں معلوم نہیں تھا۔ اس کے منافق پن کی وجہ سے آپ اسے مسلمان ہی جانتے تھے۔ اس لیے اسے اپنا اہل قرار دے کر اس کے حق میں دعا کر بیٹھے۔ اگر انہیں حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی اس کے حق میں دعا نہ کرتے...... اس لیے کہ آپ کو پہلے ہی صاف طور پر یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ جب طوفان آجائے تو ان کافروں کے بارے میں کوئی سفارش نہ کیجئے گا۔

اب پھر پانی بلند ہوتا چلا گیا...... بلند اور بلند ہوتا چلا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اونچے سے اونچے پہاڑ سے بھی پندرہ بیس گز یا پھر چالیس گز اونچائی تک پانی ہی پانی تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم فرمایا:

''اے زمین تو اپنا پانی نگل لے۔''

اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ جس قدر پانی زمین سے نکلا تھا، اسی قدر پانی زمین اپنے اندر اتار لے۔ آسمان کو حکم فرمایا:

''اب پانی برسانا بند کر دے۔'' اس طرح زمین سے نکلا ہوا پانی زمین میں چلا گیا۔

آسمان سے پانی برسنا بند ہو گیا۔ آسمان سے جو پانی برسا تھا، اسے قدرت نے دریاؤں اور ندیوں کی شکل دے دی۔ تا کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائیں۔ (تفسیر مظہری، قرطبی)

زمین اور آسمان نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کی۔ اس طرح طوفان ختم ہو گیا...... حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔ ظالموں کو ہمیشہ کے لیے رحمت سے محروم کر دیا گیا۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

جودی پہاڑ اب بھی اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ یہ پہاڑ حضرت نوح علیہ السلام کے اصل وطن عراق میں، موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر ہے، یہ ایک کوہستانی سلسلہ ہے۔ اس کے ایک حصے کا نام جودی ہے۔ اسی کے ایک حصے کو کوہ ارارات کہا جاتا ہے۔

موجودہ تورات میں کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ کوہ ارارات لکھا گیا ہے۔ ان دونوں روایات میں کوئی فرق نہیں۔ مشہور قدیم روایات میں بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی

کشتی جودی پہاڑ پر آکر ٹھہری تھی۔

تاریخ کی کتابوں میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ اس کشتی کے ٹکڑے آج بھی موجود ہیں:

تفسیر طبری اور بغوی میں حضرت نوح علیہ السلام ماہ رجب کی 10 تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے تھے...... چھ ماہ تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی...... جب بیت اللہ شریف کے مقام پر پہنچی تو اس نے سات مرتبہ طواف کیا۔ پھر دس محرم یوم عاشورہ میں طوفان ختم ہوا، کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس روز شکرانے کے طور پر روزہ رکھا......اور کشتی میں جتنے آدمی آپ کے ساتھ تھے، ان سب کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ کشتی میں سوار سب جانوروں نے بھی اس دن روزہ رکھا۔ (مظہری ،قرطبی)

پھر حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا:

''اب آپ پہاڑ سے اتر کر زمین میں جائیں......اور کوئی فکر نہ کریں، کیونکہ آپ کے ساتھ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوگی'' مطلب یہ کہ مصیبتوں سے سلامتی رہے گی اور اولاد میں برکت ہوگی۔

اس واقعے کے بعد دنیا میں رہنے والی سب قومیں حضرت نوح علیہ السلام کی ذرّیت اور اولاد ہوں گی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

سلامتی اور برکت کا جو وعدہ کیا گیا تھا، وہ صرف آپ کی ذات تک نہیں تھا، بلکہ فرمایا گیا تھا کہ جو امتیں اور جماعتیں آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہیں، ان پر بھی اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکتیں نازل ہوگی۔

کشتی میں سوار ہونے والے مختلف قوموں کے لوگ تھے۔ اس طرح دنیا میں مختلف قومیں اور امتیں پیدا ہوئیں۔ (تفسیر مظہری ،قرطبی ،بغوی ،طبری)

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کے نبی تھے۔ عاد کا تعلق عرب کے پرانے قبیلے سامیہ سے تھا۔ عاد عربی کا لفظ ہے، اس کا مطلب ہے، بلند اور مشہور۔ قوم عاد کو کہیں کہیں عمالقہ بھی کہا گیا:

قومِ عاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 2 ہزار سال پہلے گزری ہے۔ قرآن عزیز میں اس کو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی قوم کہا گیا ہے۔ عاد عرب کے سب سے بہترین علاقے حضر موت کے علاقے میں آباد تھی۔ ان کی آبادی عراق تک چلی گئی تھی۔

یہ لوگ بھی بت پرست تھے۔ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بت تراشنے کے ماہر تھے۔ ان کے جھوٹے معبود بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بت وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ہی تھے۔ ان کے علاوہ ایک بت کا نام صمود اور ایک کا نام ہتار تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بت طوفان کی وجہ سے زمین کی تہ میں چلے گئے تھے۔ ابلیس مردود نے ان کا پتا لوگوں کو بتایا۔ انہوں نے ان بتوں کو پھر زمین سے نکال لیا تھا اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ دراصل یہ سب بڑے بڑے بزرگ تھے، ان کے مرنے کے بعد شیطان نے اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی یادگار تعمیر کرنی چاہیے، چنانچہ ان لوگوں نے وہاں

نشان بنا دیے۔

عاد اپنی طاقت اور حکومت کے نشے میں ایسے ڈوبے کہ انہوں نے اللہ واحد کو بالکل بھلا دیا۔ اپنے ہاتھوں سے بنائے گئے بتوں کو معبود مان کر شیطانی عمل کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی سب سے بڑی اور باعزت شاخ ''خلوذ'' میں سے تھے۔ آپ کا رنگ سرخ وسفید تھا۔ چہرہ بہت خوبصورت تھا، ڈاڑھی بڑی تھی۔ (عین کتاب الانبیاء)

آپ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس کی عبادت کی دعوت دی۔ وہ لوگ بہت ظالم اور سرکش تھے۔ انہیں ظلم وستم کرنے سے منع کیا۔ قومِ عاد نے آپ کی ایک نہ سنی، الٹا انہیں سختی سے جھٹلایا...... اور غرور وتکبر میں کہنے لگے:

''آج دنیا میں ہم سے زیادہ طاقت ور اور شان وشوکت کا مالک کون ہے۔'' (حم السجدہ)

ہود علیہ السلام مسلسل اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے۔ قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ انہیں بتاتے رہے کہ غرور اور سرکشی کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ آپ نے قوم نوح کی مثال دے کر انہیں سمجھایا۔ طوفان کی کیفیت ان کے سامنے بیان کی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اے قوم! اپنی جسمانی طاقت، حکومت اور شان وشوکت پر گھمنڈ نہ کر بلکہ اللہ کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھے یہ دولت بخشی، خوش حالی عطا کی...... لہٰذا اس کی نعمتوں کو نہ بھول، اپنے ہاتھوں سے بنائے بتوں کی پوجا سے باز آجا...... یہ نہ تجھے کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی نقصان، نہ دکھ پہنچا سکتے ہیں، نہ سکھ۔ موت اور زندگی، نفع اور نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اے قوم کے لوگو! مانا کہ تم ایک مدت سے نافرمانی کی زندگی گزار رہے ہو مگر آج بھی اگر توبہ کرلو اور باز آجاؤ تو اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اس سے معافی چاہو، وہ بخش دے گا۔ اس کی طرف لوٹ جاؤ، وہ معاف کر دے گا۔ تقویٰ اور اطاعت کی زندگی گزارو وہ تمہیں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے گا۔ بہت عزت

دے گا، اور مال و دولت میں اضافہ کر دے گا۔"

آپ انہیں تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے:

"میں تم سے کسی اجر اور بدلے کا خواہش مند نہیں۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

یہ بات خاص طور پر انبیاء کرام سے متعلق ہے۔ کوئی انبیاء کرام کو یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ وہ دین کی تبلیغ کر کے مال طلب کرتے ہیں، یا حکومت مانگتے ہیں۔ وہ تو نہ قوم سے دولت مانگتے ہیں، نہ ریاست، نہ عزت، نہ کوئی اور چیز، وہ تو صرف ایک ہی بات کہتے ہیں ...... یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے بن جاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل میں سام کی اولاد ہیں۔ قوم عاد کے تیرہ خاندان تھے۔ عمان سے لے کر حضرت موت تک ان کی بستیاں تھیں۔ ان کی زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ ان میں ہر قسم کے باغات تھے۔ رہنے کے لیے بڑے بڑے شاندار محلات بناتے تھے۔ بہت قد آور لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری نعمتیں انہیں عطا کی تھیں...... اپنی طاقت اور شان و شوکت کے نشے میں یہ لوگ کہنے لگے تھے:

"آج ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟"

رب العالمین کی طرف سے ان کی طرف نعمتوں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس کو چھوڑ کر یہ لوگ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ آپ خود انہیں کے خاندان میں سے تھے۔ آپ نے بار بار انہیں ان الفاظ میں تبلیغ کی:

"اے میری قوم، بت پرستی چھوڑ دو۔ ایک اللہ کی عبادت کرو، عدل و انصاف سے کام لو، ظلم و ستم سے باز آجاؤ۔"

قومِ عاد اپنی طاقت کے نشے میں مست تھی، اس نے بات نہ مانی۔ اس کے نتیجے میں اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر پہلے عذاب کا آغاز ہوا۔ پہلا عذاب یہ تھا کہ تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ ان کی زمینیں خشک ہو کر ریگستان بن گئیں اور باغات جل گئے۔

اس پر بھی ان لوگوں کی سرکشی میں کمی نہ آئی، شرک سے باز نہ آئے، بت پرستی نہ چھوڑی۔

اب ان پر آٹھ دن اور سات راتوں تک شدید قسم کی آندھی کا طوفان آیا، اس آندھی نے ان کے رہے سہے باغات اور محلات کو بھی زمین پر بچھا دیا۔ آندھی اس قدر شدید تھی کہ ان کے جانور اور وہ خود ہوا میں اڑنے لگے، پہلے اڑتے پھر سر کے بل زمین پر آ گرتے اور ان کے سر پاش پاش ہو جاتے۔ اس طرح پوری کی پوری قوم عاد تباہ و برباد ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:

''ہم نے جھٹلانے والوں کی نسل کاٹ دی۔''

مطلب یہ کہ چونکہ قومِ عاد پوری کی پوری تباہ کر دی گئی تھی...... اس لیے آیندہ ان کی نسل کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں نے عذاب کے وقت ایک گھیر دار جگہ میں پناہ لی تھی۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس طوفانی ہوا سے بڑے بڑے محلات تو گر گئے، مگر اس گھیر دار جگہ میں ہوا معمول کے مطابق چلتی رہی۔ ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی اس جگہ پر سکون انداز میں بیٹھے رہے۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد یہ لوگ مکہ معظمہ میں آ گئے۔ قوم عاد پر ہوا کا جو طوفان آیا، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الحاقہ میں یوں فرمایا:

''قوم عاد ایک سخت آندھی سے ہلاک کیے گئے۔ وہ ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک چلتی رہی، اگر آپ وہاں موجود ہوتے تو اس قوم کو اس طرح گرے ہوئے دیکھتے گویا گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں۔ سو کیا تمہیں ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آیا ہے۔''

تفاسیر میں اس عذاب کی تفصیل یوں درج ہے کہ تین سال تک جب قطعاً بارش نہ ہوئی تو ایک دن ایک بادل اٹھا...... عاد کی قوم نے خیال کیا کہ اب بارش ہوگی۔ ان سب کا خیال تھا کہ یہ بادل خوب برسے گا۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کا مذاق بھی اڑایا کہ یہ صاحب تو ہم پر عذاب کی پیش گوئی فرما رہے تھے...... یہ تو برسنے والا بادل آ گیا۔

اس پر حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ بادل نہیں عذاب ہے...... اب بھی وقت ہے کہ تم میری بات مان لو۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ بت پرستی سے باز آ جاؤ۔''

انہوں نے کہا:

''بھلا اس بادل میں عذاب کیسا؟''

ہود علیہ السلام نے فرمایا:

''اس میں آندھی اور طوفان ہے...... اس میں ایسی ہوا چلے گی کہ تمہیں اور تمہارے مکانات کو نیست و نابود کر دے گی۔''

اس پر انہوں نے کہا:

''اے ہود! تم ہماری طاقت کو جانتے ہو، پھر بھی ہمیں ہوا سے ڈرا رہے ہو، اس کی شدت اور تیزی سے ڈراتے ہو...... یہ ہمارا کیا بگاڑ لے گی بھلا۔''

ابھی بات چیت ہو رہی تھی کہ وہ ابر شہروں کے کناروں پر آ گیا اور طوفانی ہوا چلنے لگی۔ سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل ہوا چلتی رہی۔ وہ لوگ اتنے طاقت ور تھے کہ اس شدید ترین ہوا نے انہیں اٹھا اٹھا کر پھینکا پھر بھی وہ سات دن تک زندہ رہے اور آخر آٹھویں دن سب کے سب بے جان ہو کر گر پڑے۔ کوئی اپنے مکانوں میں مارا گیا اور کوئی باہر اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کے مکانات کو بھی زمین کے برابر کر دیا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی عمر مبارک چار سو چونسٹھ سال ہوئی تو آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ قوم عاد کی تباہ شدہ بستیوں کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی: 0321-2220104)

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ان سورتوں میں موجود ہے:

سورہ اعراف، سورہ توبہ، سورہ ہود، سورہ ابراہیم، سورہ حج، سورہ شعرا، سورہ عنکبوت، سورہ حٰم سجدہ، سورہ مومن، سورہ احقاف، سورہ قمر، سورہ نجم، سورہ الحاقہ، سورہ فجر۔

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے نبی تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے تباہ ہونے کے بعد ثمود کی اولاد عرب میں پہنچ گئی تھی۔ ان کا ملک شام اور حجاز کے درمیان تھا......اور شہر حجاز سے ملا ہوا تھا۔ ان کی وادی کا نام وادی قریٰ تھا۔

یہ لوگ بہت قد آور تھے۔ پہاڑوں کو تراش کر انہوں نے اپنے گھر بنا لیے تھے۔ پتھروں کو تراشنے کے ماہر تھے۔ پتھر تراشتے تراشتے بت تراش بن بیٹھے۔ پھر ان میں بت پرستی عام ہو گئی۔ جب یہ لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے تو اللہ رب العزّت نے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ (تفسیر عزیزی) (تصاویر کے لیے: نقوش تاریخ اسلامی)

آپ کی شکل وصورت ان سب میں بہتر تھی......اور نسب بھی اعلیٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں ارشاد فرمایا:

''اور قومِ ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

صرف چند لوگ آپ پر ایمان لائے۔ یہ کم زور اور غریب لوگ تھے۔ قوم کے بڑے سردار اور مال دار لوگ بت پرستی پر قائم رہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑایا۔ وہ مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''اگر ہم خدا کے صحیح دین پر نہ ہوتے تو آج ہمیں یہ دھن دولت، سرسبز و شاداب باغات اور بلند و بالا عالی شان محلات، میوہ جات کی کثرت، شیریں نہریں، یہ سب کچھ کیوں حاصل ہوتا...... یہ سب چیزیں ہمیں اس لیے ملی ہیں کہ ہم صحیح دین پر ہیں، دوسری طرف آپ خود دیکھیں...... جو لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں، انہیں دیکھیں۔ ان کی تنگ حالی اور غربت کو دیکھیں اور بتائیں کہ خدا کے مقبول بندے کون ہیں۔''

پھر ان لوگوں سے کہتے جو آپ پر ایمان لائے تھے:

''کیا ہمارے ہوتے ہوئے اس پر نصیحت اتری ہے...... (یعنی نبوت ملی ہے) اور کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح پروردگار کا رسول ہے۔''

مسلمان انہیں جواب دیتے:

''بے شک! ہم ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لا چکے ہیں۔''

تب وہ جواب دیتے:

''ہم تو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

ان مغرور اور سرکش لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان الفاظ میں انہیں تبلیغ کی:

''اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا پھر اسی میں تمہیں بسایا، پس اسی سے بخشش مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔''

جواب میں وہ کہتے:

''کیا تو ہمیں ان معبودوں سے روکتا ہے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔''

غرض وہ آپ کو جھٹلاتے ہی رہے، ادھر حضرت صالح علیہ السلام بھی برابر انہیں اللہ کا پیغام سناتے رہے۔ آخر انہوں نے کہا:

''اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔''

اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

"تمہاری خواہش کے مطابق میں تمہیں معجزہ دکھا دیتا ہوں...... لیکن اس کے بعد بھی اگر تم ایمان نہ لائے تو پھر تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔"

اس پر انہوں نے کہا:

"ہم ہر سال فلاں تاریخ کو شہر سے باہر جاتے ہیں۔ اپنے ساتھ بتوں کو بھی اچھی پوشاک پہنا کر لے جاتے ہیں۔ پھر ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ تو بھی ہمارے ساتھ چل...... اپنے خدا سے اپنی مراد مانگ...... پھر دیکھیں گے...... تیرا خدا تجھے کیا دیتا ہے اور ہمارے خدا ہمیں کیا دیتے ہیں۔"

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کی بات کو قبول کر لیا۔ آخر وہ دن آ گیا جب انہیں باہر نکلنا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ وہ تھوڑے سے مسلمان تھے جو ان پر ایمان لائے تھے۔ جب وہ عید گاہ پہنچ گئے تو انہوں نے اپنے تبوں کو نہایت اچھی طرح سجایا اور اپنے سامنے تختوں پر بٹھایا۔ پھر بڑے ادب سے ان سے اپنی حاجات مانگنے لگے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

"مانگنا ہی ہے تو ان بتوں سے کوئی انوکھی چیز مانگو تاکہ ہم بھی دیکھیں، تمہارے بت کیسی قدرت رکھتے ہیں۔"

وہ لوگ بتوں کے سامنے بڑی عاجزی سے مانگتے رہے، لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر بیٹھ گئے۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

"اب تم کہو...... میں کیا کر کے دکھا دوں...... میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا اور وہ ہو جائے گا...... جو تم کہو گے۔"

ان سب نے اپنے بڑے کی طرف دیکھا اور اس سے بولے:

"ان سے کوئی ایسا مطالبہ کرنا چاہیے جو یہ پورا نہ کر سکیں۔"

سردار نے پہلے سوچا، پھر بولا:

''اگر آپ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں تو ہماری پہاڑی ''کاتبہ'' سے ایک ایسی اونٹنی نکال دیجیے جو دس مہینے کی گابھن ہو اور پوری طرح طاقت ور ہو، پھر وہ ہمارے سامنے بچہ جنے، وہ بچہ بھی اسی کی شکل کا ہو، اس کا رنگ روپ بالکل اسی جیسا ہو۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''اگر میں اللہ کے حکم سے تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دوں تو تم سب مجھ پر اور میری دعوت پر ایمان لے آؤ گے؟''

ان سب نے اقرار کیا:

''ہاں! ہم ایمان لے آئیں گے۔''

اب حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

''اے پروردگار! آپ کے لیے تو کوئی کام مشکل نہیں۔ ان کا مطالبہ پورا فرما دیں۔''

مسلمان بھی اس وقت آپ کے پاس کھڑے تھے...... آپ کا ان الفاظ میں دعا کرنا تھا کہ اچانک پہاڑی پھٹی، اس میں سے ایسی چلانے کی آواز آئی...... جیسی جانور بچہ جنتے وقت نکالتے ہیں...... اور انہوں نے پہاڑ میں سے بالکل ایسی ہی اونٹنی نکلتے دیکھی...... پہاڑ سے نکلتے ہی اونٹنی جنگل میں چرنے لگی...... کچھ ہی دیر بعد اس کا بچہ پیدا ہو گیا، وہ بچہ بھی اسی کے رنگ روپ کا تھا۔

اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''بے شک تمہارے رب کی طرف سے یہ واضح دلیل آ چکی، یہ تمہارے لیے اللہ کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی ہے، تمہارے لیے ایک فیصلہ کن نشانی ہے، بس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے، اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاؤ، ورنہ تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے گا۔ (سورہ اعراف رکوع 10)

اس واقعے کو دیکھنے کے بعد ان سب نے کہا:

''بے شک صالح کا معبود بڑی ہی قدرت کا مالک ہے۔ اس پر ایمان لانا چاہیے۔''

اس طرح ان کا سردار اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ اسلام لے آیا۔

اس نے حضرت صالح علیہ السلام سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگی۔ باقی لوگ اپنی سرکشی پر قائم رہے۔ان بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا۔اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا:

''تم نے وعدہ خلافی کی ہے۔اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم اس اونٹنی اور اس کے بچے کو نہایت تعظیم سے رکھو۔اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے...... جب تک یہ اونٹنی اور بچہ تم میں رہیں گے،شاید اللہ کا عذاب تم پر نہ آئے...... اس کو چھوڑ دو تا کہ یہ کھاتی پھرے،اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا۔''

وہ اونٹنی بہت قد آور تھی...... اللہ کا معجزہ تھی۔ اس کا بہت رعب تھا۔جس طرف جاتی، باقی سب جانور اسے دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔پانی پر آتی سب کا پانی پی جاتی۔اس طرح لوگ بہت پریشان ہوئے۔انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے شکایت کی:

''یہ اونٹنی تو بہت پانی پی جاتی ہے...... ہمارے لیے باقی نہیں بچتا۔''

اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ان سے فرمایا:

''ایک دن تم کنویں سے پانی لیا کرو،دوسرے دن اونٹنی پیا کرے گی...... اور جس دن یہ پانی پیے گی،اس دن تم اس کا دودھ نکال لیا کرو۔''

چنانچہ اس طرح کیا گیا...... ایک دن اونٹنی پیتی...... اس دن وہ لوگ اونٹنی کے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے۔دوسرے دن وہ پانی لیتے۔

کچھ دن تک یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا...... لیکن پھر وہ اس اونٹنی سے تنگ آ گئے...... اُن کے تنگ آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاں سے گھاس چرتی، وہاں گھاس ختم کر دیتی اور دوسرے جانوروں کے لیے گھاس نہ بچتی۔اب جن لوگوں نے جانور پالے ہوئے تھے،

انہیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی...... اب وہ سوچنے لگے کہ کس طرح اس اونٹنی سے نجات حاصل کی جائے تاکہ ان کے جانور بھی فراغت سے چر سکیں۔

دوسری طرف وہ عہد کر چکے تھے کہ اونٹنی سے کوئی بُرا سلوک نہیں کریں گے۔ اس لیے وعدہ خلافی ڈرتے بھی تھے کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ آ جائے۔ اس موقعے پر پھر شیطان آگے آیا۔ اس نے کچھ نوجوان عورتوں کو اکسایا۔ عورتوں نے اعلان کیا:

''جو شخص بھی اس اونٹنی کو قتل کرے گا...... وہ ہم میں سے جس سے چاہے، شادی کر سکے گا۔''

اس اعلان کو سن کر دو آوارہ گرد نوجوان قدار بن سالت اور مصدع اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان عورتوں کے بھی بہت سے جانور تھے۔ اس لیے یہ دوسروں سے زیادہ پریشان تھیں۔

اس طرح یہ دونوں بدطینت آدمی اونٹنی کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ آخر ایک دن تیر اور تلواریں لیے اپنے کچھ ساتھیوں سمیت اونٹنی کے راستے میں بیٹھ گئے۔ وہ ایک تنگ سی گلی تھی۔ اونٹنی چراگاہ سے واپس لوٹی۔ اسے آتے دیکھ کر مصدع نے اپنی کمان میں تیر چڑھایا اور اونٹنی کی پیشانی پر مارا۔ اب سب نے مل کر شور مچاتے ہوئے اونٹنی پر حملہ کر دیا، لیکن اونٹنی اس قدر طاقت ور تھی کہ اس نے کسی کو نزدیک نہ آنے دیا۔ آخر قدار نے اس کے پیچھے جا کر وار کیا...... تلوار اس کی کونچوں پر ماری، اونٹنی زمین پر گری۔ ساتھ ہی باقی لوگ تلواروں کے وار کرنے لگے...... اور آخر کار انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا جسے ناقۃ اللہ کہا گیا تھا۔

اس سے پہلے ہی حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں خبردار کیا تھا۔ سورۃ الشمس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا پس اللہ کے رسول نے ان سے کہہ دیا تھا کہ یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے معجزہ ہے اور اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ پس انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ان کے پروردگار نے ان کے

گناہ کے سبب زمانے کو ان پر الٹ مارا، پس برابر کر دیا انہیں اور پروردگار ان کے انجام سے نہیں ڈرتا۔"

جب شہر کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ اونٹنی کو قتل کر دیا گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کا گوشت تقسیم کیا اور گھروں کو لے گئے۔

ادھر اونٹنی کے بچے نے اپنی ماں کو قتل ہوتے دیکھا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور اسی پہاڑ پر جا چڑھا جس سے اونٹنی پیدا ہوئی تھی اور اسی میں غائب ہو گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کے قتل کی خبر ملی تو افسوس کرتے ہوئے باہر نکلے اور شہر والوں سے فرمایا:

"تم نے اللہ کے عذاب کو خود دعوت دی ہے، اب عذاب آ کر رہے گا۔"

اس پر آپ کی قوم نے کہا:

"اے صالح! اس عذاب کو ہمارے پاس لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔" (پ8ع17)

وہ لوگ اللہ کے عذاب کو بچوں کا کھیل سمجھ رہے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی باتیں ہوائی سمجھ رہے تھے۔ وہ اپنے سے پہلی قوموں کے عبرت ناک انجام کو بھلا بیٹھے تھے...... قرآن کریم نے اللہ کی اونٹنی کے ان قاتلوں کو سب سے زیادہ بد بخت فرمایا ہے۔

جب ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہا کہ تم اس عذاب کو لے آؤ...... تو آپ نے ان سے فرمایا:

"اچھا! اگر تم عذاب ہی کے خواہش مند ہو تو تیار ہو جاؤ۔ اب تم تین دن تک گھروں میں آرام کر لو۔ یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہو گا۔"

پھر آپ نے انہیں عذاب کی علامات بھی بتائیں۔ آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں آنے والے عذاب کی تین علامتیں بتاتا ہوں۔ یہ علامتیں تمہارے چہروں پر ظاہر ہوں گی۔ پہلی علامت یہ ہو گی کہ جمعرات کے روز تمہارے چہرے زرد

ہو جائیں گے۔ یہ ڈر اور خوف کی علامت ہے۔ مصیبت آنے سے پہلے انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

دوسری علامت یہ ہوگی کہ جمعے کے روز سب کے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔ یہ ڈر اور خوف کا دوسرا درجہ ہے۔

تیسری علامت یہ ہوگی کہ ہفتے کے دن سب کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ یہ ڈر اور خوف کا تیسرا درجہ ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''یہ عذاب سب پر آئے گا...... اس میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب شامل ہوں گے۔''

اور پھر آپ کے بتائے ہوئے پہلے مقررہ دن ان کے چہروں پر علامات ظاہر ہونے لگیں۔ ان علامات سے پہلے تک یہ لوگ اللہ کے نبی کی باتوں کو ہوائی باتیں سمجھ رہے تھے...... مگر جونہی علامات شروع ہوئیں، سوچ میں پڑ گئے۔ حیران اور پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جمعرات کو جب چہرے زرد ہو گئے تو جمعہ کی علامت کے خوف سے ان کے ہوش اڑ گئے۔ اور پھر جمعے کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے تو ہفتے کی علامت کے خیال نے انہیں لرزا دیا...... وہ جان گئے...... اب اللہ کے عذاب سے بچنا ناممکن ہے۔

ان علامات کو دیکھ لینے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرنے لگ جاتے، لیکن انہوں نے کیا یہ کہ آپس میں کہنے لگے:

''اب ہم صالح کے اور ان کے اہل و عیال کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

انہوں نے آپس میں عہد کر لیا اور قسم کھائی کہ ہم سب مل کر رات کے وقت صالح کے گھر پر ٹوٹ پڑیں گے اور کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے کھڑا ہوگا تو کہہ دیں گے، ہمیں کچھ خبر نہیں، ہم سچ کہتے ہیں، ہم تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے۔

انہوں نے یہ پروگرام عذاب کی علامات ظاہر ہونے پر بنایا جب کہ انہیں تو اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے تھی۔

ان کے اس پروگرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''انہوں نے ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی ان کے خلاف ایک خفیہ تدبیر کی اور انہیں اس تدبیر کی خبر نہ ہوئی۔''(پ19 ع19)

اس بستی حجر میں نو بد بخت تھے۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلے میں کیا کامیاب ہوتے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ ادھر یہ نو افراد قتل کے ارادے سے نکلے۔ ایسے میں پہاڑ سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور ان پر آ رہا۔ اس طرح یہ سب کے سب ہلاک ہو گئے (معارف القرآن)

تین دن پورے ہو گئے تو اللہ رب العزت کے عذاب کی ابتدا ہوئی۔ یہ ایک قسم کا عذاب نہیں تھا...... بلکہ کئی قسم کے عذاب تھے۔ یہ کڑک کا عذاب، چنگھاڑ کا عذاب اور زلزلے کا عذاب تھے۔ رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر کسی کو اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔

ایک کوندنے والی بجلی تھی جو بار بار چمکتی، کوندتی، گرجتی، لرزتی ہوئی کبھی ایک مقام پر گزرتی تو کبھی دوسرے مقام پر...... یہ قوم جس جگہ آباد تھی، انہوں نے اپنے رہنے کے لیے جو بلند و بالا مکان بنائے تھے، اس عذاب نے ان سب کو تہس نہس کر دیا۔

ثمود کی قوم نے خود عذاب کا مطالبہ کیا تھا...... وہ تمام کی تمام اس عذاب سے ہلاک ہوئی...... بس ایک شخص ابو رغال بچ گیا۔ وہ ایسے بچا کہ عذاب کے وقت مکہ معظمہ گیا ہوا تھا...... وہ گویا امن کے شہر میں گیا ہوا تھا...... اس لیے اس وقت تو عذاب سے محفوظ رہا، لیکن جب یہ مکہ معظمہ سے باہر نکلا تو جس عذاب سے ساری قوم ہلاک ہوئی تھی...... یہ بھی اسی سے ہلاک ہوا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ابورغال کی قبر کے پاس سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے دریافت فرمایا:

''جانتے ہو، یہ قبر کس کی ہے۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا علم ہے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''یہ ابورغال کی قبر ہے۔ یہ قوم ثمود کا ایک فرد تھا۔ جب قومِ ثمود پر عذاب آیا تو یہ شخص اس وقت حرم پاک کی سرزمین میں تھا۔ حرم پاک کے احترام کی وجہ سے اُس وقت تو یہ عذاب سے محفوظ رہا...... لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو جس قسم کا عذاب باقی قوم پر آیا تھا، اسے بھی اسی قسم کے عذاب نے آلیا...... اور یہ بھی ہلاک ہو گیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا:

''جب اسے دفن کیا گیا تو اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہو گئی تھی'' ...... یہ سن کر لوگوں نے اس کی قبر کھود ڈالی ...... اس میں واقعی سونے کی سلاخ موجود تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سلاخ کو نکال لیا۔

کہا جاتا ہے طائف کے لوگ ابورغال کی نسل سے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محفوظ رکھا۔ عذاب ان پر اثر انداز نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم نے انہیں بچا لیا جو ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کر چکے تھے۔''

(پ24ع16)

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ مومن اور کافر ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ عذاب آیا تو اس نے چن چن کر ان لوگوں کو ہلاک کیا جو ایمان نہیں لائے تھے اور جو ایمان لائے تھے...... عذاب انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا۔

حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے مسلمانوں کی تعداد 120 تھی اور ہلاک ہونے والے تقریباً ڈیڑھ ہزار گھرانے تھے۔(روح المعانی)

قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام ایمان لانے والوں کو ساتھ لے کر حجر سے فلسطین کے علاقے میں چلے گئے۔ یہ مقام حجر سے قریب تھا اور تھا بھی سرسبز وشاداب۔

آپ کی عمر 85 سال ہوئی...... بعض کتب میں عمر 280 سال بھی لکھی ہے۔

ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج بھی موجود ہیں۔ تحقیق کرنے والے کچھ لوگوں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہی جاتی ہے۔ اس میں بہت سے کمرے ہیں اس میں حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے۔ یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔(قصص القرآن)

لیکن اس سے بھی پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی نشان دہی فرمائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تبوک کی طرف جاتے ہوئے وادیِ حجر سے گزرے۔ وہاں ثمود کی (تباہ شدہ اور ویران) بستیاں تھیں۔ صحابہ کرام ثمود کے کنوؤں سے پانی بھر کر آٹا گوندھنے اور روٹیاں پکانے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو علم ہوا تو آپ نے پانی گرا دینے اور ہانڈیاں الٹ دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"یہ وہ بستی ہے جس پر اللہ کا عذاب ہوا، یہاں قیام نہ کرو اور نہ یہاں کی کسی چیز سے فائدہ اٹھاؤ اور یہاں سے آگے چل کر پڑاؤ ڈالو، ایسا نہ ہو، تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ۔(مسند احمد)(تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام آزر اور والدہ کا نام امبلہ تھا۔ آپ کی ولادت عراق کے شہر اُدر میں ہوئی۔ بعض نے بابل لکھا ہے۔

آپ کی ولادت سے پہلے نجومیوں نے وقت کے بادشاہ نمرود سے کہا تھا:

''ایسا لگتا ہے کہ آپ کی حکومت کے تباہ و برباد ہونے کا وقت آگیا ہے۔ آپ کی طرف سے اس وقت جو مذہب جاری ہے اور جن بتوں کی ہم لوگ پوجا کرتے ہیں، یہ سب ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ دوسرا دین آجائے گا۔'' (قصص القرآن)

نمرود یہ سن کر پریشان ہوا۔ اس نے نجومیوں سے پوچھا:

''تم لوگوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ہمارا دین اور حکومت سب ختم ہو جائیں گے؟''

نجومیوں نے جواب دیا:

''اسی سال اس شہر میں ابراہیم نامی ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کے ذریعے آپ کی حکومت اور یہ سارا نظام پاش پاش ہو جائے گا۔''

نجومیوں سے یہ بات سن کر نمرود نے پورے ملک میں یہ اعلان کر دیا:

''اس سال جس گھر میں بھی بچہ پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔''

آپ کی والدہ یہ حکم سن کر پریشان ہوگئیں۔ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا... پہلے تو انہوں نے اپنے شوہر سے بھی یہ بات چھپائے رکھی، لیکن پھر شوہر کو بتانا پڑا۔اب انہوں نے بچے کی پیدائش کے لیے ایک غار تلاش کیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس غار میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد آپ کی والدہ آپ کو وہیں چھوڑ کر گھر آ گئیں۔ دودھ پلانے کے لیے غار میں چلی جاتیں اور پھر واپس آ جاتیں۔ اسی غار میں آپ کی پرورش ہوتی رہی اور غار سے باہر کسی آدمی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

اسی غار میں آپ پانچ سال کے ہوگئے۔اس کے بعد آپ ایک روز غار سے باہر آئے تو آپ کی آنکھوں کے سامنے نئی نئی چیزیں آنا شروع ہوئیں۔باپ بتاتا چلا گیا، یہ فلاں چیز ہے...... یہ فلاں چیز ہے...... اس چیز کا یہ نام ہے۔اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ماں سے پوچھا:

''اماں! میرا رب (پالنے والا) کون ہے؟''

اس پر اماں نے جواب دیا:

''میں ہی ہوں کیونکہ میں ہی تمہاری پرورش کرتی ہوں۔''

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

''آپ کا رب کون ہے؟''

ماں نے جواب دیا:

''تمہارے باپ آزر۔''

اس پر آپ نے پوچھا:

''اچھا امی! میرے باپ کا رب کون ہے؟''

اماں نے جواب دیا:

''نمرود بادشاہ۔''

آپ نے پوچھا:

''نمرود کا رب کون ہے؟''

ماں اپنے چھوٹے سے بچے کی باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔آپ کے سوالات سے تنگ آ کر منہ پر طمانچہ مارا اور بولی:

''خبردار! آئندہ ایسی باتیں زبان پر نہ لانا...... تجھے کیا معلوم، نمرود تو سارے عراق کا مالک ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام والدہ کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور فرمانے لگے:

''آپ کچھ بھی کہیں، میری عقل میں تو آپ کی باتیں نہیں آئیں...... آخر دنیا کا نظام کس طرح چل رہا ہے؟''

والدہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکیں...... ادھر چونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت سے نوازنے والے تھے اور آپ کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا کام لیا جانے والا تھا۔اس لیے آپ کے دل میں یہ باتیں آنا شروع ہو گئیں کہ یہ طرح طرح کے جانور، رنگ برنگ پھول، پودے، یہ زمین، آسمان کیسے پیدا ہو گئے؟ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے۔دراصل یہ پاکیزہ خیالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو آپ نے اپنی قوم کو بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے دیکھا۔آپ نے اپنے والد کو بھی بت بناتے اور ان کی پوجا کرتے دیکھا۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت ملنے والی تھی۔لوگوں کی ہدایت کا کام آپ سے لیا جانے والا تھا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر زمین اور آسمان کے دروازے کھول دیے...... آپ کو تمام چیزوں کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔آپ کو ہر طرح کی دلیلیں سمجھا دیں تاکہ آپ کی شان ان بتوں کے پجاریوں کے سامنے بلند رہے۔آپ پر واضح کر دیا کہ یہ طرح طرح کے جانور، یہ رنگ رنگ کے پھول، پودے، یہ زمین و آسمان کیسے پیدا ہوئے۔ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے۔یہ تمام خیالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے۔

آپ پر اللہ تعالیٰ نے دس صحیفے نازل فرمائے۔(بیان القرآن)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا:

''اے اللہ کے رسول! ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے تھے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''ان صحیفوں میں عرب کی مثالیں موجود تھیں۔'' (معارف القرآن)

اس طرح آپ پر شرک کی حقیقت خوب واضح ہوگئی، چنانچہ قرآن کریم میں آپ کے یہ الفاظ آئے ہیں:

''میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنا رخ اسی کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' (پ 7 ع 15)

اب آپ نے تبلیغ شروع کی۔ سب سے پہلے اپنے والد سے فرمایا:

''اے میرے ابا جان! آپ اس چیز کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے، نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہے؟''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اے میرے ابا جان! بلاشبہ مجھے وہ علم عطا ہوا ہے جو آپ کو نہیں دیا گیا، سو آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔''

اور آپ نے اپنے والد سے یہ بھی فرمایا:

''اے میرے والد! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، کیونکہ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔'' (پ 16 ع 6)

اس کے بعد آپ نے اپنے والد کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

''اے میرے ابا جان! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب آ پکڑے۔''

اس طرح آپ نے اپنے والد کو تبلیغ کرنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے جواب میں آزر

نے کہا:

''اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے... اگر تو اس حرکت سے باز نہ آیا تو میں تجھے یقیناً سنگسار کردوں گا اور تو ایک مدت دراز تک کے لیے میرے سامنے سے چلا جا۔''

آپ نے والد کی بات صبر اور برداشت سے سنی، پھر فرمایا:

''اچھا! آپ پر سلام ہو، اس کے باوجود بھی میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش (یعنی ہدایت) طلب کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔'' (پ16 ع6)

یہ جو آپ نے سلام کہا، یہ رخصت ہونے کا سلام تھا۔ جیسے ہمارے ہاں کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو میری طرف سے آخری سلام۔ والد نے آپ کو کس قدر سخت سست کہا، قتل کر دینے کی دھمکی تک دی۔ اس کے باوجود آپ نے والد کا ادب اور احترام برقرار رکھا اور جواب میں کہا تو صرف اتنا:

''میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔''

والد کے ہاں سے نکل کر آپ اپنی قوم کی طرف آئے اور ان سے فرمایا:

''یہ مورتیاں کیا ہیں، جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو؟''

جواب میں انہوں نے کہا:

''ہم نے اپنے بڑوں کو انہی مورتیوں کو پوجا کرتے پایا ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''تم بھی صریح غلطی پر ہو اور تمہارے بڑے بھی صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔'' (پ17 ع6)

قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنیں تو وہ بے چین ہو گئے، پریشان ہو گئے اور کہنے لگے:

''کیا تم سچی بات ہمارے سامنے کر رہے ہو یا ہم سے دل لگی کر رہے ہو؟''

آپ نے ان کے اس فضول سوال کا جواب یوں دیا:

''دل لگی کی بات نہیں، بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس بات پر پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دیتا ہوں۔''

یعنی آپ نے ان سے فرمایا کہ میرا اور تمہارا رب وہی ایک اللہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیے...... اوران کی دیکھ بھال رکھی ہوئی ہے۔ کوئی دوسری چیز اس کی خدائی میں شریک نہیں۔ آپ نے قسم کھا کر ان سے فرمایا:

''اور قسم اللہ کی، جب تم پیٹھ پھیر کر جا چکو گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا۔'' (پ17 ع6)

یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان بتوں کو پوجنے والے آنکھیں کھول کر دیکھ لیں کہ جن کو ہم پوجتے ہیں، ان میں تو اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ خود کو ہی بچا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان بتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس مکھی سے اس کو چھڑا نہیں سکتے۔'' (پ17 ع17)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ اور قوم کے لوگوں کو بت پرستی سے روکنے کے لیے پورا زور لگا دیا اور کسی قسم کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے سوچا، اب مجھے اپنی تبلیغ کا طریقہ بدل کر دوسرا رخ اختیار کرنا چاہیے تا کہ لوگ لکڑی اور پتھر کے بتوں اور ستاروں کے بارے میں بھی جان لیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

جب رات ہوگئی اور تاریکی چھا گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے۔ آپ نے آسمان پر ایک ستارہ دیکھا تو فرمایا:

''یہ ستارا میرا رب ہے۔''

جلد ہی ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا:

''میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں سمجھتا۔''

پھر جب چاند نکلا اور وہ چمک رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

''یہ میرا رب ہے۔''

لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا:

''اگر میرے رب نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی گروہ میں ہوتا اور راہ راست سے بھٹک جاتا۔''

پھر صبح ہوئی اور سورج نکلا تو آپ نے فرمایا:

''میرا رب تو یہ ہے...... یہ سب سے بڑا ہے۔''

لیکن جب شام کو سورج غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

''اے میری قوم! تم جن چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو آسمان اور زمین کو بنانے والا ہے اور جس کے حکم اور قانون پر تمام زمین اور آسمان کی مخلوقات چل رہی ہے اور میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں۔''

آپ نے تبلیغ کا یہ بہترین طریقہ اختیار کیا...... ان پر واضح کیا کہ معبود صرف ایک اللہ ہے...... وہی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی خالق اور مالک ہے۔ ہمیں اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو کیسے زندہ کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''کیا تجھے یقین نہیں کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔''

آپ نے عرض کیا:

''یقین تو ہے، لیکن میں چاہتا ہوں میرے دل کی تسکین ہو جائے۔''

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''چار پرندے پکڑ لے، انہیں اپنے ساتھ پال تا کہ وہ تجھ سے مانوس ہو جائیں۔تو ان کے ٹکڑے کر ڈال...... پھر ان ٹکڑوں کو ملا جلا کر چار پہاڑیوں پر رکھ دے اور ان کو بلا، وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے...... پس جان لے، اللہ غالب حکمت والا ہے۔''
(پ3 کوع35)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرندوں کا قیمہ بنایا گیا تھا...... پھر اس قیمے کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھا گیا تھا اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ایک ایک بلایا تو وہ باری باری زندہ ہو کر آپ کے پاس آتے گئے ...... اس بارے میں روایت یہ بھی ہے کہ وہ پرندے بھی مختلف تھے ان میں ایک مور، ایک مرغ، ایک کبوتر اور ایک کوا تھا۔(ابن کثیر)

اس زمانے میں آپ کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔سب لوگ اس میں شرکت کے لیے شہر سے باہر جاتے تھے...... میلہ لگنے کا وقت آیا تو سب جانے لگے۔آپ سے بھی کہا گیا:

''آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔''

آپ نے انکار کر دیا...... قوم نے اصرار کیا کہ نہیں...... ضرور چلیں...... تب آپ نے انہیں خاموش کرنے کے لیے مجبوراً فرمایا:

''میری طبیعت کچھ ناساز ہے۔''

اور آپ واقعی ان لوگوں سے ان کی بت پرستی کی وجہ سے کڑھتے رہتے تھے...... پریشان اور بے چین رہتے تھے، لہٰذا ان حالات میں یہ کہہ سکتے تھے کہ میری طبیعت کچھ ناساز ہے۔ایسا کہنا جھوٹ میں شامل نہیں تھا۔

وہ لوگ بتوں کے ساتھ ساتھ ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔آپ نے جب یہ کہا کہ میں کچھ بیمار ہوں تو ساتھ میں آپ نے ستاروں کی طرف دیکھا بھی تھا...... اس سے وہ لوگ یہ

سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کے ذریعے یہ جانا ہے کہ آپ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ آپ کی یہ بات سن کر وہ آپ کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

یہی آپ چاہتے تھے...... اس طرح آپ کو موقع مل گیا کہ ان جھوٹے خداؤں کی خبر لے سکیں...... ان لوگوں کے جاتے ہی آپ بت خانے میں جا گھسے اور ان سے کہنے لگے:

''تم کیوں نہیں کھاتے اور کیوں نہیں بولتے؟''

''پھر آپ جا گھسے ان میں اور داہنے ہاتھ سے انہیں ضربیں لگائیں۔'' (پ23 ع7)

''اس طرح انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا...... لیکن آپ نے سب سے بڑے بت کو نہیں توڑا۔ اسے اسی طرح رہنے دیا تاکہ وہ لوگ آ کر اس کی طرف متوجہ ہوں۔'' (پ17 ع5)

پھر جب قوم کے لوگ واپس آئے تو انہوں نے اپنے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے پایا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے:

''یہ ناشائستہ حرکت اور یہ گستاخی ہمارے دیوی دیوتاؤں کے ساتھ کس نے کی ہے؟''

کچھ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے یہ الفاظ سن لیے تھے کہ میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا...... یہ خیال آتے ہی کہنے لگے:

''ہم نے ابراہیم کو بتوں کو بُرا کہتے سنا ہے...... یہ کام ضرور اس کا ہے۔''

اس پر کچھ لوگوں نے کہا:

''تب پھر اسے یہاں لے آؤ۔''

ان میں سے کچھ گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے آئے...... پھر آپ سے پوچھا گیا:

''اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ توڑ پھوڑ کی ہے؟''

ان کی بات کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ حرکت ان کے اس بڑے نے کی ہے...... اگر یہ بول سکتے ہوں تو خود ان بتوں ہی سے پوچھ لو۔'' (پ17 ع5)

آپ کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، اس بڑے بت

سے کیوں نہیں پوچھا جو صحیح سالم کھڑا ہے، کلہاڑا ابھی اس کے پاس موجود ہے۔ جس سے بتوں کو توڑا گیا ہے...... ظاہر ہے کام اسی کا ہے۔

اور یہ کہنے سے آپ کا مقصد بتوں کی بے بسی ثابت کرنا تھا۔ مشرکوں نے آپ کی بات سن کر کہا:

"اے ابراہیم تو تو جانتا ہی ہے، بت بولا نہیں کرتے۔" (پ 17 ع 5)

پھر وہ شرم کے مارے سر جھکا کر بیٹھ گئے...... یہ بات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ یہ بت جنہیں تم اپنا معبود خیال کرتے ہو، یہ تو نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان، چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا:

"تو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ نفع، تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو...... کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟"

اس قدر واضح بات بھی وہ نہ سمجھ سکے۔ ان کے دلوں پر قفل لگ چکے تھے...... بت پرستی سے باز آنے کی بجائے، الٹا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ادھر اس وقت کے بادشاہ کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں...... وہ اپنی بادشاہت کے لیے فکر مند ہو گیا۔ اس لیے وہ بھی ان مشرکوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجومی اسے پہلے ہی خبردار کر چکے تھے کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کو تباہ کر دے گا۔ وہ بہت خوف زدہ تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا:

"ابراہیم کو میرے سامنے حاضر کرو۔"

اس کے سپاہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے دربار میں لے آئے۔ باقی سب نے نمرود کو سجدہ کیا۔ آپ سیدھے کھڑے رہے۔ اس کے سامنے سر تک نہ جھکایا۔ اس پر نمرود غصے میں آ گیا۔ اس نے کہا:

''تو نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟''

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''میں صرف اپنے پروردگار کو سجدہ کرتا ہوں۔''

اس نے کہا:

''تیرا پروردگار کون ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔''

یہ سن کر وہ بولا:

''یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔''

یہ کہ کر اس نے دو قیدیوں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرے کو چھوڑ دیا۔ اس طرح گویا اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بھی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد تو دراصل یہ نہیں تھا...... لیکن نمرود پر لے درجے کا بے وقوف تھا، چنانچہ آپ نے اس سے ایسا سوال کیا جس کا وہ کسی طرح بھی جواب نہ دے سکا۔ آپ نے فرمایا:

''میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھادے۔''

یہ سن کر نمرود دھک سے رہ گیا۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

نمرود کے بارے میں مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ نمرود بن کنعان، بن سام تھا۔ اس کی حکومت بابل اور اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بہت مغرور تھا۔ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا...... اپنی خدائی کے دعوے میں یہ اس قدر مغرور ہو چکا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا اور بولا:

''اگر آسمان میں کوئی خدا ہے تو میں اسے ختم کیے دیتا ہوں۔'' (نعوذ باللہ) اللہ کی شان

کہ وہ تیر اوپر سے خون آلود ہو کر زمین پر گرا۔ بس پھر کیا تھا وہ خوشی سے پاگل ہو گیا اور بے خود کہنے لگا:

"دیکھا! میں نے آسمان کے خدا کو ایک ہی تیر سے ہلاک کر دیا۔"

ادھر قوم بھی اپنے بتوں کی وجہ سے بہت غصے میں تھی...... اب انہیں نمرود کا بھی ساتھ مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مل کر فیصلہ کیا:

"ابراہیم کو آگ میں جلا دو...... اپنے معبودوں کا بدلا لے لو...... کچھ کرنا ہے تو یہ کرو۔"

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مشورہ شیطان نے دیا تھا اور وہ یہ مشورہ دینے کے لیے ایک بوڑھے شخص کے بھیس میں آیا تھا۔

اب ان لوگوں نے آگ جلانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سارے شہر کے لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ پھر ان لکڑیوں میں آگ لگا کر اس میں دھونکتے رہے، آگ کو بھڑکاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے شعلے اس قدر بلند ہوئے کہ کوئی پرندہ اس پر سے گزرے تو جل جائے۔

اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ آپ کو آگ میں ڈالیں کیسے...... آگ کے پاس جانا تو کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

تب ایک بار پھر شیطان نے آ کر انہیں مشورہ دیا:

"اسے منجنیق میں رکھ کر آگ میں گرا دو۔"

منجنیق پتھر پھینکنے کی ایک مشین ہوتی ہے...... اس کے ذریعے قلعوں پر پتھر برسائے جاتے ہیں...... اس طرح قلعوں کی دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں...... اب ان لوگوں نے آپ کو منجنیق پر بٹھایا۔ جب اس کے ذریعے آپ کو آگ میں گرایا جانے لگا تو تمام فرشتے پکار اٹھے:

"یا رب! آپ کے خلیل کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آپ کی مدد کرنے کی اجازت دے دی۔ فرشتے آپ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''ہم آپ کی مدد کے لیے آئے ہیں۔''

آپ نے فوراً فرمایا:

''میرے لیے مجھے میرا اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔''

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

''آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔''

آپ نے جواب دیا:

''مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں جس ذات کے لیے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے، وہ علیم و خبیر ہے، مجھے دیکھ رہا ہے۔ وہ جو کچھ میرے لیے تجویز فرمائے میں اس پر راضی ہوں۔''

اور آخر کار کافروں نے آپ کو اس عظیم دہکتی آگ میں پھینک دیا اور اپنے خیال میں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ تو پاک ہوا۔ دوسری طرف قدرت ان پر ہنس رہی تھی ... ادھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا، ادھر اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

''اے آگ ٹھنڈی ہو جا...... اور ابراہیم کے حق میں سلامتی والی ہو جا۔''

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں سات روز تک رہے۔ فرماتے ہیں:

''مجھے زندگی میں ایسی راحت کبھی نہیں ملی جیسی ان سات دنوں میں۔'' (معارف القرآن، تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہونے کا حکم دیا تھا...... لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ سلامتی والی ٹھنڈی ہو جا...... اگر باری تعالیٰ یہ نہ فرماتے تو آگ اس حد تک ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ٹھنڈک کو برداشت نہ کر پاتے۔ چنانچہ آگ ایسی معقول

ٹھنڈی ہوئی کہ آپ کے جسم و جان کو خوش گوار معلوم ہو۔

جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ الفاظ کہے:

''اے اللہ! بلا شبہ تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں تیرا اکیلا عبادت گزار ہوں۔''

شیطان کی تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں...... کافر ناکام ہو گئے...... وہ لوگ تو خیر آپ کے دشمن تھے ہی...... چھپکلی نے بھی دشمنی دکھائی...... باقی جانور تو آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے اور چھپکلی پھونکیں مار رہی تھی۔ (مسند احمد، ترجمان الغہ)

چھپکلی آج بھی انسانوں کے لیے مضر ہے۔ یہ نمک پر پیشاب کرتی ہے...... اگر انسان وہ نمک کھائے تو جسم پر کوڑھ کا خطرہ ہے۔

بادشاہ نمرود کی بیٹی رعضہ اپنے محل پر کھڑی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا منظر حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ آپ اس آگ میں بڑے مزے سے بیٹھے ہیں، اللہ کی یاد میں مصروف ہیں۔ لڑکی نے بلند آواز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

''یہ کیا بات ہے کہ اتنی آگ آپ پر اثر نہیں کر رہی؟''

آپ نے جواب دیا:

''یہ ایمان کی برکت ہے۔''

وہ کہنے لگی:

''اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اس آگ میں کود جاؤں۔''

آپ نے فرمایا:

''لا الٰہ الا اللہ ابراھیم خلیل اللہ۔ پڑھتے ہوئے کود جاؤ۔''

وہ کلمہ پڑھتے ہوئے آگ میں کود گئی۔ آگ نے اس کا بال بھی نہ جلایا۔ یہ ہے ایمان کی برکت...... نمرود کو پتا چلا تو اسے بہت بُرا کہا، اس پر خوب بگڑا، سختیاں کیں، مگر وہ پہاڑ

کی مضبوطی کی طرح اپنے ایمان پر ثابت قدم رہی۔

حضرت ابراہیم آگ میں سات روز رہے...... پھر آپ باہر نکل آئے...... آپ کے زندہ معجزے کو دیکھ کر آپ کے بھائی کے بیٹے حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لے آئے...... آپ کی چچازاد بہن سارہ بھی آپ پر ایمان لے آئیں۔ آپ کا ان سے نکاح ہو گیا...... نمرود اور اس کی قوم سے مایوس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھانجے لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ کے ساتھ فلسطین کی طرف ہجرت کی...... کہا جاتا ہے کہ نمرود پر اللہ کا عذاب مچھر کی صورت میں آیا۔ ایک مچھر نمرود کے ناک کے راستے دماغ تک پہنچ گیا...... اس کی وجہ سے وہ اپنے سر پر جوتے لگواتا اور سر کو دیواروں سے ٹکراتا ہوا مر گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام جنھیں (بعد میں نبوت ملی) اور حضرت سارہ کے ساتھ تبلیغ کرتے ہوئے مصر تک پہنچ گئے۔ حضرت سارہ بہت زیادہ خوب صورت تھیں۔ ان کا حسن بے مثال تھا۔ جلد ہی ان کے حسن کی شہرت پھیل گئی۔

اس زمانے میں مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا۔ اس زمانے کے فرعون کا نام سنان بن علوان تھا۔ یہ بہت فاسق فاجر اور ہوس پرست تھا۔ خوب صورت عورتوں کا دیوانہ تھا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن کی شہرت اس تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا:

"اس حسین عورت کو پکڑ لاؤ۔"

اس کے سپاہی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو حضرت ابراہیم پریشان ہو گئے۔ ان کے ارادے کو بھانپ کر آپ نے دعا کی:

"اے پروردگار! غریب اور بے کس بندوں کی آبرو کا تو ہی محافظ ہے۔ میری بیوی کی عزت اور آبرو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔"

سپاہی آپ دونوں کو پکڑ کر لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو انہوں نے جیل میں ڈال دیا اور حضرت سارہ کو فرعون کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے بری نیت سے حضرت

سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرایا۔ اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور اس نے خیال کیا کہ یہ تو کوئی ولی عورت ہے۔ اس سے معافی مانگ لینی چاہیے، چنانچہ اس نے کہا:

''آپ مجھے معاف کر دیں...... میرے لیے دعا کریں...... میں بُرے ارادے سے باز آیا، توبہ کرتا ہوں۔''

حضرت سارہ کو اس پر ترس آیا، آپ نے اسے معاف کر دیا۔ جونہی آپ نے معاف کیا، اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اپنے بھلے چنگے ہاتھ کو دیکھ کر اس پر شیطان سوار ہو گیا۔ اس نے خیال کیا...... مجھے وہم ہو گیا تھا...... میرے ہاتھ کو تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ اس نے پھر ہاتھ بڑھایا...... فوراً ہی ہاتھ پھر شل ہو گیا۔ اس نے پھر معافی مانگی...... آپ نے پھر معاف کر دیا، ہاتھ پھر ٹھیک ہو گیا، اس نے پھر وہی خیال کیا، تیسری مرتبہ پھر ہاتھ بڑھایا...... ہاتھ پھر بے کار ہو گیا۔ اس نے پھر معافی مانگی۔ آپ نے معاف کر دیا۔ اس کا ہاتھ پھر ٹھیک ہو گیا۔ اس مرتبہ اس نے سچے دل سے معافی مانگی تھی...... وہ جان گیا تھا کہ یہ عورت کوئی عام عورت نہیں ہے۔ وہ اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنھا آپ کو ہبہ کر دی اور کہنے لگا:

''یہ میری بیٹی ہے، آپ کی خدمت کرے گی۔''

پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جیل سے نکلوایا۔ ان کا بھی بہت اکرام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو لے کر وہاں سے فلسطین کے علاقے کنعان میں آ گئے۔ اس وقت حضرت سارہ کی عمر 70 سال ہو چکی تھی اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ نے خود ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا:

''آپ ہاجرہ سے شادی کر لیں۔''

اس طرح آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس وقت آپ کی عمر 86 سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ ان کے پاس آیا اور اس نے کہا:

''اے ہاجرہ مبارک ہو! تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ اللہ کی قدرت کہ پہلے ہی سال حضرت ہاجرہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا......ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، حضرت اسمٰعیل بہت خوب صورت تھے ان کی پیشانی میں نور چمک رہا تھا۔ ان کے حسن و جمال اور پیشانی سے چمکتے نور کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے بے تحاشا محبت کرنے لگے......ادھر حضرت سارہ کے ہاں چونکہ کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ...... اور حضرت ہاجرہ کے ہاں پہلے سال ہی بیٹا پیدا ہوگیا تھا، اس لیے حضرت سارہ کو فطرت کے مطابق حسد محسوس ہونے لگا......وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ مطالبہ کرنے لگیں:

''ان دونوں کو میرے پاس سے کہیں دور چھوڑ آؤ تا کہ یہ مجھے نظر نہ آئیں۔''

حضرت سارہ کا مطالبہ آپ کے لیے بہت پریشان کن تھا......آپ الجھن میں مبتلا ہو گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مصلحت اسی میں ہے کہ سارہ کی بات مان لی جائے۔''

آخر اللہ تعالیٰ کو اس علیحدگی کے نتیجے ہی میں تو ایک مشہور شہر آباد کرنا تھا......اور لوگوں کو قیامت تک رہنے والے عجائبات دکھانے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ملتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں سے لے کر چلے......وحی میں مکے کی طرف لے جانے کا بھی اشارہ موجود تھا، چنانچہ انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ وہ جگہ اس وقت ایک چٹیل میدان تھی...... وہاں دور دور تک کسی آبادی کا نام ونشان تک نہیں تھا......بس ایک درخت تھا......سبزہ نہیں تھا......صحراء کی مانند علاقہ یا پھر پہاڑ تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لیے اس جگہ پہنچے جہاں آج خانہ کعبہ ہے تو اونٹ کے قدم رک گئے۔ اس نے آگے بڑھنے کا نام تک نہ لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے آگے بڑھانے کی بہت کوشش کی......لیکن اونٹ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ یہ دیکھ کر آپ سمجھ گئے کہ منزل یہی ہے۔ ان دونوں کو یہیں اتارنا ہوگا، چنانچہ آپ نے ان دونوں کو وہیں اتار دیا۔ کچھ

کھجوریں اور پانی ان کے پاس رکھ دیا اور اونٹ پر بیٹھ کر جانے کے لیے مڑے۔

اس وقت حضرت ہاجرہ پریشان ہوئیں اور بولیں:

''اے خلیل! آپ ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔''

انہوں نے پھر پوچھا:

''کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟''

آپ نے جواب دیا:

''ہاں! یہ اللہ کا حکم ہے۔''

تب آپ نے کہا:

''پھر مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہیں...... وہ ہمیں ضائع نہیں کریں گے۔'' (ابن کثیر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر واپس لوٹ گئے...... جب اتنے فاصلے پر پہنچ گئے جہاں سے وہ دونوں نظر نہیں آ رہے تھے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

''اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو میدان میں بسایا ہے، جہاں سبزہ نہیں اور یہ جگہ تیرے محترم گھر کے پاس ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ قائم رکھیں نماز کو، سو تو لوگوں کے دلوں کو اس طرف مائل کر دے۔ اور انہیں میووں سے روزی دے، شاید وہ شکر کریں۔''

یہ دعا کر کے آپ وہاں سے چلے آئے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہیں تھی...... نہ وہاں کہیں پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس پانی کا مشکیزہ اور کھجوروں کا ایک تھیلا رکھ دیا تھا...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد حضرت ہاجرہ ضرورت کے وقت تھیلے میں سے کھجوریں کھاتیں اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں، یہاں تک کہ پانی بالکل ختم ہو گیا۔ اب وہ پیاس کی وجہ سے پریشان

ہو گئیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی پیاس ستانے لگی...... بچے کی وجہ سے حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں...... ساتھ ہی صفا پہاڑی تھی...... انہوں نے سوچا، اس پر چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لیا جائے کہ کہیں پانی ہے یا نہیں...... صفا پہاڑی پر انہیں دور دور تک نہ تو کوئی انسان نظر آیا، نہ کہیں پانی کے آثار نظر آئے...... صفا پہاڑی سے اتر کر آپ وادی کے نشیب میں پہنچیں تو کرتے کا کنارہ اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے ایک پریشان حال انسان دوڑا کرتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حاجی صفا اور مروہ کے درمیان سعیٰ کے وقت دوڑتے ہیں...... یعنی اس جگہ حضرت ہاجرہ اس لیے دوڑیں تھیں کہ نشیب میں اتر آنے کی وجہ سے بچہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا...... اس لیے آپ نے دوڑ کر اس جگہ کو عبور کیا اور مروہ پہاڑی پر جا پہنچیں۔ مروہ پہاڑی سے بھی انہیں پانی نظر نہ آیا...... نہ کوئی انسان نظر آیا...... اب وہ بے تاب ہو کر پھر صفا کی طرف چلیں...... نشیب میں پہنچتے ہی آپ نے پھر دوڑ لگائی...... اور صفا پر پہنچیں...... اس طرح آپ نے سات چکر لگائے...... اس واقعے کی یاد میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے حج وعمرہ کرنے کے لیے آنے والوں کو سات چکر لگانے کا حکم دیا۔ اب جب بھی کوئی عمرہ کرتا ہے...... یا حج کرتا ہے تو ان دونوں پہاڑیوں کے سات چکر لگاتا ہے۔ آخری چکر کے وقت جب آپ مروہ پر تھیں تو آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا...... آپ اسے دیکھ کر بچے کے پاس آگئیں...... فرشتے نے اپنی ایڑی سے زمین پر اشارہ کیا تو وہاں سے پانی نکلنے لگا۔

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جس جگہ ایڑیاں رگڑیں، وہاں سے پانی نکل آیا...... حضرت ہاجرہ نے جو پانی ابلتے دیکھا تو اسے دونوں ہاتھوں سے روکنے لگیں...... اور مشکیزے میں پانی بھر لیا...... لیکن پانی تو پھیلتا جا رہا تھا...... وہ تو ابل رہا تھا...... جب آپ نے پانی کو اس طرح پھیلتے دیکھا...... تو گھبرا کر اس سے فرمایا:

''زم...... زم۔'' یعنی ٹھہر جا۔ ٹھہر جا۔

پھر یہی نام اس پانی کا مشہور ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم فرمائے، اگر کہیں وہ زم زم کو رہنے دیتیں اور یہ نہ کہتیں کہ زم زم تو وہ آج بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا کہ وہ اسے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر مشک میں نہ بھرتیں تو آج یہ بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

اب آپ نے پانی پیا، بچے کو دودھ پلایا۔ اس وقت اس فرشتے نے کہا:

''تم اس بچے کی ہلاکت کا خوف نہ کرو۔ یہاں بیت اللہ ہے، یہ بچہ اور اس کے والد اس کی تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں پریشان نہیں کریں گے۔''

اس طرح زم زم جاری ہوا...... اس وقت سے لے کر آج تک یہ جاری و ساری ہے...... حاجی تبرک کے طور پر اپنے ساتھ لاتے ہیں اور وہاں خوب دل کھول کر پیتے ہیں ......زم زم روئے زمین پر سب سے بہتر پانی ہے۔ اس میں تین باتیں اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہیں جو دنیا کے کسی پانی میں نہیں ہیں۔ پیاس بجھاتا ہے، غذا کا کام دیتا ہے اور موت کے سوا ہر بیماری کے لیے شفا ہے...... جس وقت اس کا ظہور ہوا تھا... اس وقت انہی تین چیزوں کی ضرورت ان ماں بیٹے کو تھی...... اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس پانی کو سالہا سال رکھ لیں...... نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے اور نہ اس میں کیڑا پڑتا ہے...... یہ بات دوسرے پانیوں میں نہیں پائی جاتی۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں: نقوش تاریخ اسلامی)

حضرت ہاجرہ نے اس وقت سوچا، کہیں یہ پانی بہتے بہتے ختم نہ ہو جائے اور پہلے کی طرح ہم پھر زندگی اور موت کی کش مکش میں نہ مبتلا ہو جائیں، اس لیے آپ نے پانی کے گرد منڈیر بنادی اور فرمایا:

''زم زم۔''

زم زم کو نمودار ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ قبیلہ جرہم کا ایک تجارتی قافلہ یمن سے آتے ہوئے، ادھر سے گزرا۔ یہ لوگ پہلے بھی ادھر سے گزرتے رہتے تھے...... یہاں کے چپے چپے سے واقف تھے...... پہلے انہوں نے اس مقام پر کبھی پرندوں کو اڑتے نہیں

دیکھا تھا، لیکن اس مرتبہ جب یہ وہاں سے گزرے تو انہیں بہت سے پرندے اڑتے نظر آئے...... یہ بہت حیران ہوئے...... جانتے تھے، آس پاس پانی نہیں ہے...... اور پرندے وہاں نظر آتے ہیں، جہاں پانی ہوتا ہے...... یہ لوگ بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا:

''تم ذرا جا کر دیکھو...... اس طرف یہ پرندے کیوں اڑ رہے ہیں۔''

یہ شخص چٹانوں میں سے ہوتا ہوا زم زم کے چشمے کے پاس پہنچ گیا اور صحرا میں پانی دیکھ کر حیران رہ گیا...... اسے اور زیادہ حیرت حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے کو دیکھ کر ہوئی...... اس نے واپس آ کر صورت حال بتائی...... تو وہ سب چشمے کے پاس آ گئے۔ حضرت ہاجرہ کو بھی یہاں رہتے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا تھا...... انہیں بھی انسانوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔

قافلے والوں نے فوراً جان لیا تھا کہ اس جگہ سے جو یہ پانی نکل رہا ہے...... یہ انہی دونوں کی کرامت ہے...... ورنہ یہاں پانی کہاں تھا...... پہلے تو حیرت بھری نظروں سے یہ سب دیکھتے رہے...... پھر ان میں سے ایک نے حضرت ہاجرہ سے کہا:

''کیا آپ ہمیں اس مبارک چشمے کے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے سکتی ہیں...... جب آپ کے بیٹے جوان ہو جائیں گے تو ہم انہیں اپنا سردار بنا لیں گے اور بڑے ہونے پر اگر یہ ہمیں یہاں سے نکالنا چاہیں تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات مان لی اور انہیں وہاں رہائش کی اجازت دے دی۔ اس طرح مکہ معظّمہ کے آباد ہونے کا سلسلہ شروع ہوا...... آج آپ مکہ معظّمہ جا کر وہاں کی رونق اور چہل پہل کو دیکھیں تو اس وقت کا تصور کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب اسّی سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ختنہ کا حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی اور اسماعیل علیہ السلام کی ختنہ کی، بعض علما نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا تمام انبیا مختون پیدا ہوئے، یعنی پیدائشی طور پر ختنہ شدہ تھے۔ آپ اس لیے مختون پیدا نہیں ہوئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ ختنہ کی سنت آپ سے

جاری ہو جائے، چنانچہ یہ سنت مسلمانوں میں جاری ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ معظّمہ چھوڑ کر آئے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور حکم دیا اور وہ حکم یہ تھا:

''اپنے بیٹے اسماعیل کو اللہ کے راستے میں قربان کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم خواب کی حالت میں دیا۔ آپ نیند سے بیدا ہوئے تو اس خواب کا اثر تمام دن رہا۔ آپ پریشان تھے کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے؟ کبھی کوئی خیال آتا، کبھی کوئی۔ تمام دن اسی حالت میں گزرا...... یہ خواب آٹھ ذی الحجہ کو دکھائی دیا تھا۔ 9 ذی الحجہ کو وہی خواب پھر نظر آیا۔ 9 ذی الحجہ والے دن آپ پریشان نہ رہے، آپ کو اطمینان ہو گیا تھا۔ آپ جان گئے تھے کہ یہ اسماعیل کے قربان کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ 10 ذی الحجہ کی رات پھر خواب نظر آیا۔ تب آپ نے اس خواب کا ذکر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''پھر جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ایسی عمر کو پہنچ گئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑنے بھاگنے اور چلنے پھرنے اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ سو تو بھی غور کر لے کہ تیری کیا رائے ہے؟''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب یہ خواب سنا تو ہنسی خوشی با ادب طریقے سے جواب دیا:

''اے میرے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' (سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 3)

دعاؤں سے مانگے اس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا جب بیٹا ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا جب وہ باپ کا سہارا ثابت ہوتا۔ اس وقت

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال کے قریب تھی...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ بالغ ہو چکے تھے۔

اس موقعے پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے چند گزارشات کیں:

''آپ چھری کو تیز کر لیں تا کہ قربانی میں دیر نہ لگے۔''

''مجھے رسی سے باندھ دیں تا کہ میرے تڑپنے کی وجہ سے آپ کے کپڑے خراب نہ ہوں۔''

''مجھے زمین پر اوندھا لٹائیں تا کہ میرے چہرے پر نظر پڑنے سے باپ کی محبت جوش میں نہ آجائے اور میں اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔''

''قربانی کے بعد میرا خون آلود کرتا میری والدہ ہاجرہ کو دے دیں تا کہ میری قربانی سے انہیں سکون ہو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ہونہار فرزند کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے...... آخر آپ انہیں اس پتھر کے پاس لے آئے جو منیٰ میں واقع تھا۔ اب آپ چھری پتھر پر رگڑ کر تیز کرنے لگے۔ ادھر فرشتوں میں ہل چل مچ گئی حالانکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔

چھری تیز ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے والے جانوروں کی طرح زمین پر لٹا دیا...... آپ اسمٰعیل علیہ السلام کی کمر پر بیٹھ گئے...... یہ اللہ سے عشق کی انتہا تھی...... کہ نورِ نظر کی کمر پر بیٹھ گئے۔ بسم اللہ پڑھی اور تیز چھری حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چلا دی۔ ادھر اسمٰعیل علیہ السلام بھی اللہ کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے...... ایک ایک لمحہ ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا...... چاہتے تھے بس فوراً ذبح ہو جائیں...... ادھر فرشتوں میں شور تھا...... سب فرشتے حیرت زدہ تھے کہ جبرئیل علیہ السلام پکارے:

''اللہ اکبر! اللہ اکبر۔''

اسمٰعیل علیہ السلام کے کانوں میں یہ کلمات پہنچے تو وہ پکار اٹھے:

"لا الٰه اِلّا اللّٰه و اللّٰه اکبر۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے منہ سے یہ کلمات سنے تو آپ نے یہ کہا:

"اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ولِلّٰهِ الحمد۔"

اب یہ کلمات عید الاضحیٰ کے موقعے پر تمام مسلمان 9 ذی الحجہ کی نماز فجر سے 13 ذی الحجہ نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے ہیں۔ ان سے اس واقعے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ان جملوں کو تکبیرات تشریق کہتے ہیں۔ ان کا مجموعہ یہ ہے۔

اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر لا الٰه اِلّا اللّٰه و اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ولِلّٰهِ الحمد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے پورا زور صرف کیا، ادھر اسمٰعیل علیہ السلام پر ایک ایک لمحہ مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بے چین تھے کہ آخر میری قربانی میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔ پھر یہاں تک ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت زور سے چھری چلائی...... اور ایک مرتبہ نہیں، بار بار چلائی مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک بال بھی نہ کٹا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو اسمٰعیل علیہ السلام نے کہا:

"ابا جان! آپ مجھے کب تک آزمائے جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے، آپ میرے گلے پر الٹی چھری چلا رہے ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

"بیٹے! میں تو سیدھی چھری چلا رہا ہوں، میں خود حیران ہوں کہ اتنی تیز چھری اپنا کام کیوں نہیں کر رہی۔"

اس پر بیٹے نے کہا:

"اچھا تو پھر آپ ایسا کریں کہ چھری کی نوک میرے گلے پر رکھ کر اس پر اپنا پورا زور لگائیں۔"

آپ نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا...... لیکن اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر خراش تک نہ آئی۔

اس واقعے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اطاعت کا کمال ثابت ہو گیا۔ خواب میں ملنے والے حکم کی کئی وضاحتیں کی جاسکتی تھیں، لیکن آپ نے کچھ بھی نہیں کیا، بس اللہ کا حکم جوں کا توں پورا کر دکھایا۔ (معارف القرآن)

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ باپ بیٹے کے قربانی کے جذبے کو دیکھ کر شیطان بہت گھبرایا، وہ فوراً حضرت ہاجرہ کے پاس ایک بوڑھے کی صورت میں آیا اور بولا:

''اے ہاجرہ! تجھے خبر بھی ہے کہ ابراہیم تمہارے لختِ جگر کو کہاں لے گئے ہیں؟''

جواب میں حضرت ہاجرہ نے کہا:

''ہاں! مجھے معلوم ہے، وہ دونوں کسی بہت بڑے کام کے لیے گئے ہیں۔''

اس پر شیطان نے ہنس کر کہا:

''تمہیں کیا معلوم...... وہ تو تمہارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے گئے ہیں۔''

بی بی ہاجرہ نے فوراً کہا:

''چل دور ہو، تو تو کوئی پاگل ہے، دیوانہ ہے...... کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح بھی کرتا ہے؟''

اب اس نے کہا:

''تمہیں نہیں معلوم...... تمہارے شوہر کو تو یہ حکم اللہ کی طرف سے ملا ہے۔''

یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا:

''اگر تیری بات درست ہے تو پھر فکر کی کون سی بات ہے...... اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہوگی کہ میرے پیارے بچے کو اللہ کے راستے میں قربان کر دیا جائے۔''

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنھا کا جواب سن کر شیطان مردود کے منہ پر پھٹکار برسی، ناکام ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے بولا:

''ابراہیم! تمہیں کیا ہو گیا ہے، نبی ہو کر اپنے گھر کے چشم و چراغ کو قتل کر رہے ہو؟''

جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ میرے رب کا حکم ہے، دور ہو جا میرے پاس سے۔''

اب اس نے کہا:

''اے ابراہیم! اللہ سے ڈرو، تمہیں معلوم نہیں کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا...... تو کیسا مصیبت میں گرفتار ہوا تھا...... مجھے ڈر ہے، کہیں تمہارا بھی وہی حال نہ ہو۔''

اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''تمہیں معلوم نہیں، قابیل نے ہابیل کو ایک حسین عورت کی خاطر قتل کیا تھا...... جب کہ میں اپنے بیٹے نورِ نظر کو اپنے مولیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اس کے حکم کی تعمیل میں ذبح کر رہا ہوں۔''

شیطان یہاں بھی مایوس ہو گیا...... کہا جاتا ہے...... اس طرح اس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی ورغلانے کی کوشش کی، لیکن آپ بھی اس کی باتوں میں نہ آئے اور وہ بُری طرح ناکام و نامراد رہا۔ اب اس نے ڈراؤنی صورت اختیار کی اور کچھ آگے جا کر ان کے راستے میں کھڑا ہو گیا...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔ منیٰ میں یہ وہ جگہ ہے جہاں تین جمرات بنے ہوئے ہیں اور حاجی صاحبان ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں ان تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں۔ ان تینوں جمرات کے نام جمرہ اخریٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ اولیٰ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شیطان آپ کو جمرہ اخریٰ کی جگہ نظر آیا...... آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ جمرہ وسطیٰ کی جگہ نظر آیا، آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر جمرہ اولیٰ کی جگہ نظر آیا تو آپ نے پھر سات کنکریاں ماریں، وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''تم جب شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہو تو دراصل اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلتے ہو۔'' (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کا حکم پورا کر چکے تھے...... لیکن اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبح ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی تو یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانیوں کا نمونہ انسانوں کو دکھائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی جان کے بدلے جنت سے مینڈھا بھیج کر اسے ذبح کروایا۔

یہ مینڈھا وہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے قابیل سے صلح ہونے کے بعد اللہ کے نام پر نذر کیا تھا اور ان کی نذر قبول ہونے کی صورت میں اٹھوا کر جنت میں پہنچا دیا گیا تھا اور جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اس واقعے تک جنت کا آب و دانہ کھا کر پلتا رہا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہونے والے اس مینڈھے کے سینگ سالہا سال تک بیت اللہ شریف کے اندر لٹکے رہے...... حجاج بن یوسف کے زمانے میں جب کعبۃ اللہ کو آگ لگی تو یہ سینگ اس آگ میں جل گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھا ذبح کرا کے عالمِ انسانیت پر عظیم احسان فرمایا۔ اگر اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبح ہوتے تو قیامت تک یہی حکم جاری رہتا اور انسان کی قربانی لازمی قرار پائی جاتی۔ بہر حال دونوں خوش خوش گھر واپس آئے۔

یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر تھے...... پھر بھی سواری پر سوار ہو کر اپنی بیوی ہاجرہ اور صاحبزادے حضرت اسمٰعیل سے ملنے کے لیے مکہ معظّمہ آجایا کرتے تھے اور سواری پر بیٹھے بیٹھے دونوں کو دیکھ کر واپس چلے جاتے تھے...... زم زم کے نمودار ہونے کے بعد وہاں کی آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا...... اسمٰعیل علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے۔ قبیلہ جرہم کے آباد ہونے کی وجہ سے آپ کو عربی زبان پر عبور ہو گیا۔ حتیٰ کہ جوان ہو کر اسی قبیلے میں شادی ہو گئی۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، بیٹے سے ملنے کے لیے آئے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پرنہیں تھے۔آپ نے اپنی بہو سے پوچھا:

''اسمٰعیل کہاں گئے؟''

اس نے بتایا:

''ہمارے لیے روزی تلاش کرنے گئے ہیں۔''

آپ نے اس سے پوچھا:

''گھر میں کیسے گزر رہی ہے۔؟''

بہو نے جواب دیا:

''بہت بری حالت ہے، تنگی میں دن گزر رہے ہیں۔''

اس عورت کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سوالات پوچھنے والے اس کے خسر اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے والد بزرگوار ہیں...... ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب سن کر فرمایا:

''جب اسمٰعیل آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا، اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔''

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے تو بیوی نے ان کے آنے اور سوالات کرنے بارے میں بتایا اور اپنا جواب بھی بتایا...... پھر ان کی ہدایت کے بارے میں ذکر کیا۔ ساری تفصیل سن کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ میرے والد بزرگوار تھے۔وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تمہیں طلاق دے دوں... لہٰذا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔''

طلاق کے بعد آپ نے دوسری شادی کرلی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کافی عرصہ بعد پھر ملنے کے لیے آئے۔اس وقت بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پرنہیں تھے۔آپ نے بہو سے پوچھا:

''اسمٰعیل کہاں ہیں؟''

بہو نے جواب دیا:

''ضرورت کی کچھ چیزیں لینے گئے ہیں۔''

اب آپ نے گھر کے حالات پوچھے:

''کیسی گزر رہی ہے؟''

بہو نے جواب دیا:

''اللہ کے فضل سے بڑی راحت اور آرام سے گزر رہی ہے۔''

آپ نے پوچھا:

''کھانے کو کیا ملتا ہے؟''

بہو نے بتایا:

''گوشت ملتا ہے۔''

آپ نے پوچھا:

''اور پینے کو؟''

بہو نے کہا:

''پانی۔''

آپ نے یہ سن کر ان کے گوشت اور پانی میں برکت کی دعا دی... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں وہاں غلہ تھا ہی نہیں۔''

اب آپ نے بہو سے کہا:

''جب تمہارے شوہر آئیں تو میرا اسلام کہنا اور کہنا اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں۔''

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے تو بیوی سے پوچھا:

''میرے جانے کے بعد کوئی صاحب ملنے کے لیے تو نہیں آئے تھے؟''

بیوی جواب دیا:

''جی ہاں! ایک بہت باوقار بزرگ آئے تھے۔ پہلے تو آپ کے متعلق پوچھا، پھر پوچھا کیسی گزر رہی ہے،؟

میں نے جواب دیا کہ ہم بہت راحت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

اس پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا:

''انہوں نے کچھ اور بھی کہا تھا؟''

بیوی نے بتایا:

''جی ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کہا تھا اور یہ کہا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔''

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ میرے والد تھے اور فرما گئے ہیں کہ تمہیں جدا نہ کروں......اور وہ چوکھٹ تم ہی ہو۔''

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر 20 سال ہوگئی تو آپ کی والدہ کی عمر اس وقت 90 سال تھی......اس وقت آپ کا آخری وقت آ پہنچا......حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے 20 سال کی عمر میں والدہ کی جدائی کا صدمہ اٹھایا۔ آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنھا کو بیت اللہ میں حجر اسود کے پاس اور ایک روایت کے مطابق حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔ انا للّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا:

''بیت اللہ کو تعمیر کریں۔''

بیت اللہ اس دنیا میں سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی تعمیر کا حکم دیا تو آپ فلسطین سے مکہ معظّمہ آئے۔ جب آپ مکہ معظّمہ پہنچے تو اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ آپ کی نظر والد بزگوار پر پڑی تو بے اختیار ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (بخاری) دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔''

اسمٰعیل فوراً بولے:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح حکم دیا ہے، آپ اسی طرح کیجیے۔''

آپ نے پوچھا:

''تم بھی اس کام میں میری مدد کرو گے نا۔''

''جی کیوں نہیں کروں گا۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اچھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس ابھرے ہوئے ٹیلے کے ارد گرد ایک گھر بناؤں۔''

یہ کہتے ہوئے آپ نے اس سمت میں اشارہ کیا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر بیت اللہ کی بنیادیں رکھیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور آپ ان کو لگاتے جاتے، یہاں تک کہ تعمیر اونچی ہوگئی۔ اب آپ کو کسی پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ ایک پتھر اٹھا کر لے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہوئے۔ اب پھر تعمیر شروع ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اٹھا کر ان کو دیتے جاتے تھے اور آپ ان کو لگاتے جاتے تھے...... یہ کام کرتے جاتے تھے اور دعا مانگتے جاتے تھے:

''اے ہمارے رب! ہماری خدمت قبول فرما...... تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

دونوں بیت اللہ کے گرد گھوم کر یہ دعا مانگتے جاتے اور تعمیر کرتے جاتے تھے۔ (بخاری)

جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے یہ تعمیر کی وہ جنت سے آیا تھا اور...... وہ پتھر ساتھ ساتھ اونچا ہوتا جاتا تھا...... یہ پتھر آج بھی بیت اللہ میں موجود ہے...... اور اس پتھر کو ''مقام ابراہیم'' کہتے ہیں۔ بیت اللہ کے طواف کے بعد اس کے نزدیک دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جس جگہ موجود تھا، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلّم کے زمانے میں بھی اسی جگہ موجود تھا۔ 17 ہجری میں زبردست سیلاب آیا۔ اس کی وجہ سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور کعبہ شریف کی دیوار کے پاس آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے اس پتھر کو پھر اسی جگہ رکھوا دیا...... اب اسے سیسہ پگھلا کر زمین میں جام کر دیا گیا ہے تا کہ ہلے جلے نہیں۔ خلیفہ مہدی عباس کے دور میں بھی اس میں شگاف پڑ گیا تھا۔ مہدی عباسی نے 161 ہجری میں ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس پر سونے کا پترا چڑھوایا تا کہ ٹوٹنے سے محفوظ رہے۔ اس کے اردگرد شیشے کا خول ہے...... پہلے یہ نظر نہیں آتا تھا۔ اب شیشے کے خول کی وجہ سے سب اسے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محنت کا اندازہ لگائیں اس وقت جدید سہولتیں تو حاصل تھیں نہیں...... حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہاڑوں سے پتھر اٹھا کر لاتے تھے...... اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا...... خالی ہاتھ پہاڑوں پر چڑھنا اترنا ہی کس قدر مشکل کام ہے...... پھر درمیان میں فاصلہ بھی تھا...... ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کے کام کا تجربہ تو تھا نہیں...... اس لیے اس کام میں خوب مشقت تھی لیکن انہیں جو مزہ آ رہا تھا...... اس سے وہی واقف تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"باری تعالیٰ! اب میرے لیے کیا حکم ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

"اب آپ حج کا اعلان کریں۔"

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

"پروردگار! بھلا میری کمزور آواز کہاں تک پہنچے گی...... کتنے لوگ اسے سنیں گے؟"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ہمارے حکم کی تعمیل کرنا آپ کا کام ہے...... لوگوں تک آپ کی آواز پہنچانا ہمارا کام ہے۔"

اس وقت سے حج کی ابتدا ہوئی...... دنیا کے کونے کونے سے لوگ حج کے لیے بیت اللہ کا رخ کرتے ہیں۔ اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں، مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھتے ہیں، صفا اور مروہ کے چکر کاٹتے ہیں۔ اپنا دنیاوی لباس اتار کر کفن نما لباس اوپر لے کر یعنی احرام کی دو چادروں میں، ننگے سر، غلاموں کی طرح اللہ کے دربار میں اپنی حاضری کا اعلان کرتے ہیں۔

لبیک اللّٰھم لبیک. لبیک لاشریک لَکَ لبیک اِنّ الحمدَ والنِعمَۃَ لَکَ وَالملک لَاشریکَ لَکَ۔

حاجی لوگ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں اپنا سامان خود اٹھا کر مزدوروں کی طرح چلتے پھرتے ہیں۔ شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں، قربانی کرتے ہیں۔

اللہ کا حکم ملتے ہی آپ ابی قبیس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور حج کا اعلان فرمایا:

حدیث میں ہے، جس نے اس آواز پر چاہے وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی پیدا نہیں ہوا تھا اور عالم ارواح میں تھا، اس اعلان پر لبیک کہا، وہ حج ضرور کرتا ہے، جس نے دو مرتبہ لبیک کہا، وہ دو مرتبہ حج کرے گا۔ مطلب یہ کہ جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا، وہ اتنی ہی مرتبہ حج کرے گا۔ (درمنثور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے 175 یا 200 سال کی عمر پائی۔ وفات کے بعد آپ کے دونوں صاحب زادوں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو مدینۃ الخلیل یا قصبہ خلیل الرحمٰن میں دفن کیا۔

دس باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں:

مونچھیں کٹوانا، ڈاڑھی رکھنا، مسواک کرنا، پانی سے ناک کی صفائی کرنا، ناخن کٹوانا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغلوں کے بال صاف کرنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، استنجا کرنا اور ختنہ کرنا۔ (حجۃ اللہ بالغہ)

یہ دس باتیں تمام انبیاء کی بھی سنت ہیں۔

آپ نے تین شادیاں کیں۔ دو کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں...... ان کے علاوہ آپ نے ایک شادی اور کی تھی...... تیسری بیوی کا نام قطورہ تھا۔ آپ نے ان سے حضرت سارہ کے انتقال کے بعد نکاح کیا تھا۔ حضرت سارہ سے آپ کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت آپ کی عمر 100 سال کی تھی اور حضرت سارہ کی عمر 95 یا 99 سال ہو چکی تھی، یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں...... یہ دونوں آپ کے ہاں بڑھاپے میں پیدا ہوئے۔

تیسری بیوی قطورہ سے بھی آپ کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ وفات سے پہلے آپ نے اپنی ساری اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

''میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین چن کر دیا ہے، تم ہرگز نہ مرنا، مگر اسلام پر۔''

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا زیادہ تر ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں آچکا ہے۔اس لیے یہاں مختصر طور پر ان کے بارے میں بتایا جائے گا۔اسی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے ہیں،اس لیے ان کا بھی مختصر ذکر آگے کیا جائے گا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے اور پہلے بیٹے تھے۔ آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 75 سال ہوگئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"اے میرے پرودگار! مجھے نیک بیٹا عطا کر۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی۔آپ کو ایک بردبار بیٹے کی خوش خبری سنائی۔آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک فرشتے نے حضرت ہاجرہ کو بشارت دی:

"اے ہاجرہ! مبارک ہو،تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔جب وہ پیدا ہوتو اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر سے شام واپس آگئے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔بشارت کے مطابق آپ کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔

اسماعیل دو کلموں کا مجموعہ ہے، اسمع اور ایل۔ عبرانی زبان میں اس کا مطلب ہے، اے اللہ میری دعا سن لے۔ بعض علما نے اطاعت گزار اور فرماں بردار کے معانی بھی لکھے ہیں۔

قرآن کریم میں آپ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اسمٰعیل وعدے کے سچے، نبی اور رسول تھے۔

وعدے کے پکا ہونے کی صفت آپ میں بہت زیادہ موجود تھی۔ لوگوں میں آپ صادق الوعد مشہور تھے۔ ایک شخص سے آپ نے وعدہ کرلیا کہ جب تک تم آؤ گے، میں یہیں تمہارا انتظار کرتا رہوں گا۔ وہ شخص تین دن تک نہ آیا۔ اس کے بعد آیا تو آپ اسی جگہ اس کا انتظار کررہے تھے۔

آپ میں یہ وصف ایک تو اس لیے تھا کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی تھے۔ دوسرے اس لیے بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی کی آل سے پیدا ہونا تھا۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کو چن لیا۔''

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حجاز عرب کے پیغمبر ہیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ آپ کو ابراہیمی شریعت دے کر بنی جرہم کی طرف بھیجا گیا۔ آپ وعدے کے بہت پکے تھے۔ اسلام میں وعدہ پورا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پورا کرو عہد کو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔'' (پ15 ع4)

علماء نے لکھا ہے: ''اس عہد میں سب طرح کے عہد داخل ہیں، خواہ اللہ سے عہد کیا جائے یا بندوں سے شرطیکہ کوئی عہد خلاف شرع نہ ہو۔''

اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی مثال دیکھیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کو قربان کرنے کے لیے لے آئے تو آپ خود ہی والد محترم کے سامنے لیٹ گئے۔ جس طرح آپ اللہ کے احکامات پر عمل کرتے تھے، اسی طرح لوگوں کو بھی حکم کرتے تھے۔ آپ انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرتے تھے۔ آپ اللہ کے بہت پسندیدہ بندے تھے۔ بیت اللہ کی تعمیر میں آپ نے اپنے والد کے شانہ بہ شانہ کام

کیا۔اس وقت دونوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے تھے:

''اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔''

تعمیر مکمل ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی صفائی، امامت، زائرین کی خدمت وغیرہ جیسے کام آپ کے سپرد کیے۔یعنی آپ کو خانہ کعبہ کا متولی بنایا اور خود ملک شام چلے گئے۔غور کریں، خانہ کعبہ کی تولیت، وہاں کی عبادت، طواف کتنی بڑی سعادت کی بات ہے۔اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہو سکتی ہے؟

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت آپ کی عمر 30 سال تھی۔آپ نے اپنی وفات تک یہ خدمات انجام دیں۔آپ کی نبوت کا دائرہ سرزمین حجاز کے علاوہ یمن اور حضرموت وغیرہ تک تھا۔ آپ کا بہت بڑا شرف یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیل کے فرزند قیدار سے ملتا ہے۔

آپ کی مادری زبان عربی تھی۔اسی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا۔عربی کے علاوہ آپ قبطی اور عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ کی وفات مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

آپ نے اپنی پہلی بیوی کو ناشکری کی بنا پر والد محترم کے حکم پر طلاق دے دی تھی۔ دوسری شادی دعلہ بنتِ مضاضہ سے ہوئی۔ان سے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی...... ان میں سے قیدار کی نسل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے، یہ بارہ کے بارہ حضرات اپنی اپنی قوم کے سردار تھے۔ ہر ایک نے اپنی جگہ الگ الگ بستیاں بسائیں۔ان سب کی اولاد اس قدر بڑھی کہ حجاز سے نکل کر شام عراق اور یمن میں پھیل گئی۔

آپ نے 137 سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کو اپنی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنھا کے پہلو میں کعبۃ اللہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے ہیں۔آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنھا سے پیدا ہوئے۔اس وقت حضرت سارہ بوڑھی ہو چکی تھیں......اولاد سے مایوس تھیں......تاہم انہیں اولاد کی تمنا تھی۔آپ کو اولاد نہ ہونے کا صدمہ بھی تھا۔جب آپ پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 سال اور حضرت سارہ کی عمر 90 سال تھی۔اس عمر میں عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا امکان نہیں ہوتا...... بلکہ اس عمر میں تو آدمی آسانی سے چل پھر بھی نہیں سکتا۔اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت سنائی،قرآن کریم کے الفاظ ہیں:

"اور خوش خبری دی ہم نے اسے اسحاق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں۔"
(پ23ع7)

اور ایسا اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے قومِ لوط کو عذاب دینے کے لیے جا رہے تھے۔ساتھ میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی خوش خبری دینے کا حکم ہوا،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور بے شک ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لے کر آئے تھے۔ انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو سلام کہا،ابراہیم نے بھی جواب میں سلام کہا،پھر ابراہیم

(علیہ السلام) فوراً ہی ان کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔" (سورۃ ہود ع 7)

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ اللہ کے فرشتے آپ کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے۔ آپ نے انہیں مہمان خیال کیا... اس لیے فوراً ان کے لیے بچھڑا بھون کر لے آئے اور ان سے فرمایا:

"لو کھاؤ۔"

فرشتے چونکہ کھاتے پیتے نہیں، اس لیے انہوں نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے...... اس زمانے میں اگر مہمان کھانا نہیں کھاتا تھا تو خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں۔ آپ نے ان سے کہا:

"مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

اس پر فرشتوں نے کہا: "ڈرنے کی ضرورت نہیں، ہم فرشتے ہیں۔ قومِ لوط کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں، لہٰذا آپ فکر نہ کریں۔"

پھر فرشتوں نے انہیں بیٹا ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے حیران ہو کر کہا:

"میرے ہاں اولاد ہوگی...... اس عمر میں...... میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں...... اس عمر میں اولاد کا ہونا عجیب سی بات ہے۔"

ان کی بات سن کر حضرت سارہ ہنس پڑیں۔ وہ بھی اس وقت وہیں موجود تھیں۔

ان کی بات پر فرشتوں نے کہا: "کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہیں...... اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں...... بے شک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور وہ بڑی بزرگی کا مالک ہے۔"

آپ کی پیدائش اسی سال ہوئی جس سال بیت اللہ کی تعمیر ہوئی۔ آپ جب آٹھ دن کے ہوئے تو آپ کی ختنہ کی گئیں۔ یہودی آپ کو ضحاک کہتے ہیں جب کہ قرآن کریم میں آپ کا نام اسحٰق آیا ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، صفحہ ۲۰۰)

آپ کے والدِ محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی شادی اپنے بھتیجے بتوئیل کی

لڑکی رفقہ سے کی۔اس وقت آپ چالیس سال کے تھے۔ ان سے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ایک کا نام عیس اور دوسرے کا نام یعقوب رکھا گیا۔اسحاق علیہ السلام عیس سے زیادہ محبت کرتے تھے۔رفقہ کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی......اسحاق علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی شام میں گزاری۔آپ کی اولاد بنی اسحٰق کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں جتنے نبی پیدا ہوئے، سب کے سب آپ ہی کی نسل سے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی اولاد میں ساڑھے تین ہزار انبیاء کرام پیدا ہوئے۔

آپ نے ایک سو ساٹھ یا ایک سو اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کو آپ کے والدِ محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برابر مدینۃ الخلیل میں دفن کیا گیا۔

یہودیوں نے آپ کے بارے میں یہ مسئلہ گھڑا ہے کہ جنہیں ذبح کرنے کے لیے لے جایا گیا وہ اسحٰق علیہ السلام تھے، اسمٰعیل علیہ السلام نہیں تھے، لیکن یہودیوں کی یہ بات من گھڑت ہے۔اسحٰق علیہ السلام تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ جب خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قربانی کا حکم ہوا تھا۔

تفسیر ابن کثیر میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے:

''یہودی علماء میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں مسلمان ہو گیا۔آپ نے اس سے پوچھا:

''ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟''

اس نے جواب دیا: ''اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم! وہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے اور یہودی بھی اس بات کو خوب جانتے ہیں......لیکن یہودی، عرب لوگوں سے حسد کرتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کا حکم اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں تھا نہ کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں۔'' (معارف القرآن بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

اس واقعے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے تھے۔اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں،ان کے والد کا نام ہاران تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں ان کا بھی ذکر ضمناً آچکا ہے۔

آپ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے ایک ہیں۔

آپ کا وطن عراق کا مشہور شہر بابل تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن بھی یہی تھا۔

شام سے چند میل کے فاصلے پر سدوم اور عامورہ نامی دو بستیاں تھیں۔ان آبادیوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے کئی نبی بھیجے۔آخر میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا۔

قرآن کریم میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان لوگوں کے بھائی لوط نے ان سے کہا: کیا تم لوگ ڈرتے نہیں، میں تم سب کے لیے ایک امین پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔میرا اصلہ تو بس رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔"(پ19ع16)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں بہت برائیاں پیدا ہوگئی تھیں۔وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کو عجیب وغریب طریقوں سے لوٹ لیا کرتے تھے۔جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں ٹھہرتا تو اس کا مال دیکھنے کے بہانے ہر آدمی تھوڑی

چیزیں اٹھا کر چل دیتا۔ تاجر بے چارہ منہ دیکھتا رہ جاتا۔ اگر وہ کچھ شکوہ شکایت کرتا تو ان میں سے ایک آتا اور لوٹا ہوا مال ٹوٹی پھوٹی شکل میں دکھا کر کہتا، بھائی میں تو یہ لے گیا تھا...... یہ اپنا مال واپس لے لو۔ تاجر ٹوٹا پھوٹا مال دیکھ کر غمگین ہو جاتا اور ان سے کہتا:

''اب یہ مال میرے کس کام کا...... اس ٹوٹے پھوٹے مال کا میں کیا کروں گا۔''

وہ اسی طرح ایک ایک کر کے آتے اور اسے ٹوٹا ہوا مال دکھاتے...... اور یہی بات اس سے کہتے...... اس طرح اسے اور زیادہ پریشان کرتے۔

اس سلسلے میں کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے...... حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت لوط علیہ السلام کی خیریت معلوم کرنے کے لیے ایک شخص عزیز الیعزر کو سدوم بھیجا۔ جب یہ بستی کے قریب پہنچا تو ایک سدومی نے اسے اجنبی سمجھ کر اس کے سر پر زور سے ایک پتھر مارا۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ بجائے اس کے کہ پتھر مار کر وہ شرمندہ ہوتا...... الٹا اس نے عزیز سے کہا:

''میرے پتھر کی وجہ سے تیرا سر سرخ ہو گیا ہے، اس لیے مجھے اس کا معاوضہ ادا کر۔ اس نے صرف مطالبہ ہی نہیں کیا۔ اسے کھینچ کر عدالت میں لے گیا۔

سدوم کے حاکم نے سدومی کا بیان سنا اور یہ فیصلہ دیا:

''سدومی کا مطالبہ درست ہے۔ یعزر سدومی کو پتھر مارنے کا معاوضہ دے۔''

یعزر یہ فیصلہ سن کر طیش میں آ گیا۔ اس نے ایک پتھر حاکم کے سر پر کھینچ مارا اور بولا:

''میرے پتھر مارنے کا معاوضہ تو سدومی کو ادا کر دے۔''

ایک تو اس قوم کی یہ حالت تھی، دوسرے اس قوم نے ایک اور خبیث فعل ایجاد کیا۔ اس فعل سے اس وقت تک دنیا کا کوئی انسان واقف نہیں تھا۔ وہ فعل یہ تھا کہ اپنی نفسانی خواہش کو عورتوں کے بجائے لڑکوں سے پوری کرتے تھے۔ اس فعل کو انہوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا تھا۔ (قصص القرآن)

مطلب یہ کہ اہلِ سدوم اس قدر ظلم و ستم، فحاشی، بے حیائی، بداخلاقی اور فسق و فجور میں

مبتلا ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ یردن (اردن) میں سخت قحط پڑا۔ اہلِ سدوم کے باغات سڑک کے کنارے تھے اور بہت کثرت سے تھے۔ آس پاس کے لوگ ادھر سے گزرتے تو کچھ پھل توڑ لیتے۔ اہلِ سدوم نے خیال کیا کہ اگر لوگ اسی طرح پھل توڑتے رہے تو باغ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ اس لیے انہوں نے مشورہ کیا کہ جو شخص پھل توڑے، اس سے یہ فعل زبردستی کیا جائے۔

اس فیصلے کے بعد یہ لوگ شہر کے ناکوں پر بیٹھے رہتے جو مسافر آتا، پھل توڑتا تو یہ اسے پکڑ کر اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔ شروع شروع میں انہوں نے یہ حرکت پھل توڑنے والے مسافروں سے کی۔ پھر وہ اس گھناؤنے فعل کے عادی ہو گئے۔ پھر اس فعل میں اس حد تک بڑھے کہ اپنی عورتوں سے بے تعلق ہو گئے۔ (قاموس القرآن)

سدوم کی بستی اردن اور بیت المقدس کے درمیان واقع تھی۔ یہ پانچ بڑے شہروں کا مرکزی مقام تھا۔ آج کی زبان میں دارالخلافہ کہہ لیں۔ بہت سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ پھلوں کا مرکز تھا۔ مطلب یہ کہ رزق کی فراوانی تھی۔ اس لیے یہاں کے لوگ عیش وعشرت میں پڑ کر اللہ کو بھول بیٹھے تھے۔ طرح طرح کی روحانی اور جسمانی بیماریوں میں گھر گئے تھے۔ ان کی تمام بیماریوں کا علاج کرنے اور انہیں راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھیجا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے وہ کام نہیں کیا کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر، مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو۔"

(پ8ع17)

یہ فعل اسی قوم نے ایجاد کیا تھا۔ ان سے پہلے کوئی قوم اس فعل سے واقف تک نہیں تھی۔

اس لیے قیامت تک جتنے لوگ یہ خبیث فعل کریں گے، اس کا گناہ قومِ لوط کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا تو قیامت تک جو بھی قتل ہوگا، اس کا گناہ قابیل کو بھی ہوگا۔

آپ کی قوم نے جب آپ کا خطاب سنا تو اس نے جواب دیا:

''ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں۔''

(پ8ع17)

ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے نزدیک اگر ہم برے ہیں، گندے ہیں تو ہم گندوں میں پاک صاف لوگوں کا کیا کام؟ لہٰذا ایسے لوگوں کو بستی سے نکال دو، تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے اور ہم امن چین سے رہ سکیں۔

ان لوگوں کا یہ جواب بہت سخت تھا، لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی دھمکی کی کوئی پروانہ کی۔ تبلیغ کا کام جاری رکھا۔

اس پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، کہنے لگے:

''اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ جان لیا کہ یہ لوگ راہِ راست پر آنے والے نہیں، بے خوف ہو کر اللہ کے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے میرے رب! ان شریر لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔''

(پ20ع16)

اللہ کا عذاب آنے سے پہلے آپ نے انہیں ایک بار پھر سمجھایا اور ان سے فرمایا:

''کیا تم مردوں سے خواہش پوری کرتے ہو اور راہزنی کرتے ہو اور اپنی عام مجلس میں ناشائستہ کام کرتے ہو۔ یعنی کھلم کھلا بے حیائی کے کام کرتے ہو۔''

ان الفاظ کا بھی ان لوگوں نے کوئی اثر نہ لیا۔ آپ نے انہیں سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ نے انہیں جتنا سمجھایا، وہ اتنا ہی اکڑتے چلے گئے۔ آپ کے اور آپ کے

ساتھیوں کے بارے میں کہنے لگے۔

''ان لوگوں کو بستی سے نکال دو۔''

پھر یہ بھی کہا:

''اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔''

آخر وہ وقت آ پہنچا جب اللہ کے فرشتے عذاب دینے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ فرشتے چونکہ انسانی شکل میں آئے تھے۔ اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

''آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔''

یہ فرشتے دراصل حسین اور جمیل نوعمر لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ اب چونکہ قوم ایسے لڑکوں کے پیچھے فوراً پڑ جاتی تھی۔ اس لیے لوط علیہ السلام انہیں دیکھ کر گھبرا گئے۔ یہ گھبراہٹ اس وجہ سے تھی کہ میری قوم نہ جانے میرے مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ فرشتوں نے اس وقت تک آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ فرشتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی کافر تھی۔ کافروں سے ملی ہوئی تھی۔ اس نے جب حسین اور جمیل نوجوانوں کو دیکھا تو جا کر انہیں بتا دیا کہ ایسے حسین اور جمیل لڑکے ان کے ہاں مہمان آئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ کفار حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ دوڑے۔ آپ پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر گھبرا گئے اور ان سے بولے:

''یہ لوگ میرے مہمان ہیں، ان کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرو، اللہ سے ڈرو، میری آبرو کا خیال کرو۔''

اس پر انہوں نے کہا:

''کیا ہم نے تجھے دنیا بھر کے لوگوں کی مہمان نوازی سے منع نہیں کر دیا تھا؟''

آپ نے انہیں اپنی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر باز رکھنے کی کوشش کی، انہیں سمجھایا، لیکن وہ لوگ کہاں ماننے والے تھے۔ آخر کار مجبور ہو کر آپ نے ان سے فرمایا:

"اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) یہاں موجود ہیں، یہ تمہارے لیے پاکیزہ اور بہتر ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم سے کوئی بھی شائستہ اور نیک چلن نہیں؟"

آپ نے انہیں پیش کش کی کہ میں اپنی لڑکیاں تمہارے سرداروں کے نکاح میں دے دیتا ہوں۔ بس تم اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔

اس زمانے میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے تک یہی دستور رہا۔ چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں عتبہ بن ابی لہب اور ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں دی تھیں، حالانکہ یہ دونوں کافر تھے۔ بعد میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے حرام قرار دے دیا گیا۔

(معارف القرآن جلد 4)

ان کافروں نے حضرت لوط علیہ السلام کی یہ پیش کش بھی منظور نہ کی۔ انہوں نے اسے رد کر دیا اور بولے:

"تو جانتا ہے...... لڑکیوں سے ہمیں کوئی رغبت نہیں...... کوئی غرض نہیں...... اور جو ہم چاہتے ہیں، اسے تو بخوبی جانتا ہے۔"

ان کا جواب سن کر آپ بہت گھبرائے، آپ نے گھر کا دروازہ بند کر لیا...... کفار نے ان کے گھر کے گرد گھیرا پہلے ہی ڈال دیا تھا...... جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر لیا ہے تو انہوں نے دیوار پر چڑھ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ حضرت لوط علیہ السلام اب تو اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ آپ کی یہ کیفیت مہمانوں کی وجہ سے تھی...... پھر مکان پر پوری قوم نے مسلح ہو کر حملہ کیا تھا...... اس لیے آپ کا گھبرا جانا قدرتی بات تھی...... اسی گھبراہٹ میں آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

"کاش مجھ میں تم سے مقابلے کی طاقت ہوتی۔"

فرشتے یہ سب دیکھ رہے تھے...... آخر وہ وقت آ گیا کہ فرشتے اپنے بارے میں لوط علیہ

السلام کو بتا دیں...... کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام اب حد درجے پریشان ہو چکے تھے...... ان کے اطمینان کے لیے فرشتوں نے کہا:

''اے لوط! ہم آپ کے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ اپنے گھر والوں کو رات کسی حصے میں یہاں سے لے کر نکل جائیں اور آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر ہاں! آپ کی بیوی پر بھی عذاب آنے والا ہے جو قوم پر آنے والا ہے۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا وقت ہے اور صبح کا وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔''

فرشتوں کی بات سن کر حضرت لوط علیہ السلام نے سکون کا سانس لیا۔ اب فرشتوں نے آپ سے کہا:

''آپ دروازہ کھول کر ایک طرف بیٹھ جائیں...... ہم انہیں مزہ چکھاتے ہیں۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ کھولا اور ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ایک پر سے معمولی سا اشارہ کیا...... اس سے سب کے سب اندھے ہو گئے...... جونہی ایسا ہوا، انہوں نے کہا:

''بھاگو یہاں سے...... لوط کے مہمان تو بہت جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔''

ادھر حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''تم لوگ میرے ساتھ نکل چلو...... اور خبردار پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا...... اب اس قوم پر عذاب کا وقت آ گیا ہے۔''

اس پر آپ کے سب ساتھی آپ کے ساتھ ہو لیے اور سدوم کی بستی کے ساتھ والی بستی ''صنوعر'' میں چلے آئے۔ آپ کی بیوی تھوڑی دور ساتھ چلی، پھر واپس قوم میں آ گئی۔

جس وقت حضرت لوط علیہ السلام ''صنوعر'' میں داخل ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی۔ پوری قوم نے ایک چیخ ماری...... فرشتوں نے ساری آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹا پٹخ دیا...... پھر اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش ہونے

لگی...... پتھروں کی اس بارش نے ان کا نام و نشان مٹا دیا...... اس قوم کا بھی وہی حشر ہوا، جو اس سے پہلی قوموں کا ہوا تھا۔

جو پتھر اس قوم پر برسائے گئے، وہ عام پتھر نہیں تھے۔ وہ عذاب کے پتھر تھے۔ ان پتھروں پر مجرم کا نام لکھا تھا۔ پتھروں سے پہلے چیخ کا عذاب نازل ہوا، پھر پتھر برسے۔

سورج نکلنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام نے پہاڑی کے اوپر چڑھ کر سدوم کی بستی کی طرف دیکھا۔ وہاں ہر طرف تباہی اور بربادی نظر آئی۔ (قصص القرآن)

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ہم نے لوط کے پاس وحی کے ذریعے یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ہی ان سب کی جڑ بالکل ہی کٹ جائے گی۔'' (پ14 ع5)

اسی رکوع میں آگے چل کر فرمایا:

''سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا۔''

ان دونوں آیتوں کی روشنی میں علماء نے لکھا ہے کہ عذاب صبح ہوتے ہی شروع ہوا اور اشراق کے وقت تک سب ختم ہو گئے۔ اس بستی کا کوئی شخص اگر اس وقت کسی کام سے بستی سے باہر چلا گیا تھا تو اس کے نام کا پتھر اسے وہیں لگا۔

تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی، قرآن مجید میں ہے کہ پتھر برسائے گئے، دونوں بیان جمع کرنے سے معلوم ہوا، ایسی حالت پیش آئی ہوگی کہ جیسی آتش فشاں پھٹنے سے ہوتی ہے۔ (ترجمان القرآن)

سدوم اور عمورہ کی ان بستیوں کا کچھ حصہ اب سمندر میں شامل ہو چکا ہے...... اس سمندر کا نام بحرِ مردار ہے...... اسے بحرِ لوط بھی کہا جاتا ہے ...... اس سمندر کے آس پاس رہنے والوں کا اعتقاد یہ ہے کہ اس سمندر کی جگہ کسی زمانے میں خشک زمین تھی، اس جگہ سدوم وغیرہ شہر آباد تھے۔ قومِ لوط پر جب عذاب آیا تو اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور زلزلوں کی وجہ سے یہ زمین سمندر سے تقریباً چار سو میٹر نیچے دھنس گئی اور پانی ہی پانی ہو گیا۔ اسی لیے

اس کا نام بحرِ مردار ہو یا بحرِ لوط ہے۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں: نقوش تاریخ اسلامی)

سمندر کے اس خاص حصے میں آج بھی کوئی جان دار مچھلی، مینڈک وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اسے بحرِ مردار کہتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد سوم)

ماہرین نے لکھا ہے کہ اس تباہی کا زمانہ 2061 ق م ہے۔ یعنی یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 2061 سال پہلے پیش آیا۔ یہ علاقہ چار پانچ شہروں کا مجموعہ تھا اور آبادی چار لاکھ تھی۔ (تفسیر ماجدی جلد دوم)

ابھی کچھ سال پہلے بحرِ مردار کے ساحل پر قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ظاہر ہوئے تھے۔ جب کہ قرآن کریم نے یہ اعلان چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ماننے والے اس عذاب سے بالکل محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد ہے۔

''پس ہم نے لوط اور اس کے ماننے والوں کو بچا لیا مگر ہاں ایک بڑھیا یعنی لوط کی بیوی وہ رہ گئی، رہ جانے والوں میں، پھر ہم نے اسے اور دوسرے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا اور ہم نے ان پر ایک عجیب قسم کا مینہ برسایا یعنی پتھروں کا۔ سو کیا ہی برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جنھیں ڈرایا گیا تھا۔'' (پ19، ع13)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں اس بستی کے کھنڈر مکہ معظّمہ سے جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت لوط علیہ السلام پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ہیں۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی تو ساتھ ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت بھی دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

''پھر ہم نے خوش خبری دی اسحٰق کے پیدا ہونے کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کے پیدا ہونے کی۔''(پ12ع7)

یہ بشارت آپ کو اس وقت دی گئی تھی...... جب فرشتوں کو قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رک کر فرشتوں نے یہ خوش خبری سنائی تھی۔ ساتھ ہی قوم لوط کے عذاب کی خبر بھی آپ کو سنائی گئی تھی۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی شادی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بھتیجی رفقہ سے کر دی۔ رفقہ سے جڑواں بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ایک کا نام عیس اور دوسرے کا یعقوب رکھا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر 60 سال تھی۔ (قصص القرآن)

یعقوب کا اعرابی نام اسرائیل ہے۔ یہ ''اسرا'' اور ''ایل'' دو الفاظ کا مرکب ہے۔ اسرا کے معنی عبد اور ایل کا مطلب اللہ ہے۔ اس طرح اسرائیل کا مطلب اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔

والد کو اپنے بیٹے عیس سے اور والدہ کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی۔ عیس کو شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ شکار کرتے اور اس کا گوشت والدین کو لا کر کھلاتے تھے۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام گوشہ نشینی کی زندگی گزاتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:

''اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ (پ16ع6)

دوسری جگہ فرمایا:

''اور بخشا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں۔'' (پ17ع5)

یعنی ابراہیم (علیہ السلام) نے تو بڑھاپے میں بیٹا ہی مانگا تھا مگر ہم نے یعقوب (علیہ السلام) جیسا نامور پوتا بھی دے دیا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فضیلت بھی عطا فرمائی کہ تمام یہودی، نصرانی اور اسرائیلی آپ ہی کی نسل سے ہیں اور بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر بھی آپ ہی کی نسل میں ہوئے ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کی اولاد میں اتنے نبی پیدا نہیں ہوئے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاص شرف ہے۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام جب بہت بوڑھے ہو گئے اور آپ کی بینائی بھی بہت کمزور ہو گئی تو ایک دن آپ نے اپنے بیٹے عیس سے کہا:

''آج ہرن کا شکار کر کے یا بکری ذبح کر کے اس کے کباب مجھے کھلاؤ۔''

باپ کی خواہش سن کر عیس فوراً شکار کے لیے چلا گیا...... ادھر ان کی والدہ رفقہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا:

''تو اپنی موٹی تازی بکری ذبح کر کے کباب بنا کر جلدی سے اپنے والد کو پیش کر دے

اوران کی دعائیں لے لے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام والد کی خواہش اور والدہ کی ہدایت کی وجہ سے جوش میں آ گئے...... جلدی سے کباب تیار کیےاور والد کو پیش کر دیے۔

بینائی کمزور ہونے کی بنا پر حضرت اسحٰق علیہ السلام سمجھے کہ کباب عیس لایا ہے، اس لیے دعائیں دینے لگے...... عیس واپس آیا تو اسے سارا قصہ معلوم ہوا۔ اسے بہت غصہ آیا...... یہاں تک کہ بھائی کی جان کا دشمن بن گیا۔

خون خرابہ سے بچنے کے لیے حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عیس کو بہت سمجھایا...... نصیحت کی اور کہا:

''پیارے بیٹے! لڑائی جھگڑا اول تو ویسے ہی برا ہے اور نبی زادے سے تو یہ فعل اور زیادہ برا ہے۔ اس لیے ایسی ناشائستہ اور اخلاق سے گری ہوئی بات نہ کر۔''

عیس نے باپ کی نصیحت مان لی...... اپنے ارادے سے رک گیا۔ اس سے خوش ہو کر باپ نے اسے دعا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد میں برکت دی۔ اولاد خوب پھیلی۔ اس کے ایک بیٹے کا نام روم تھا۔ آج کا روم اسی کے نام پر ہے۔

ادھر حضرت اسحٰق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مشورہ دیا:

''بیٹا! اب تمہارا کنعان میں رہنا اچھا نہیں۔ تم یہاں سے عراق چلے جاؤ۔''

اس نصیحت کے کچھ ہی دن بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ رفقہ نے آپ سے کہا:

''بیٹا! تم اپنے والد کی نصیحت کے مطابق عراق چلے جاؤ۔''

اس طرح آپ عراق چلے گئے۔ وہاں آپ کے ماموں رہتے تھے۔ ماموں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپ کے آرام کا خیال رکھا۔ آپ کی تربیت بھی انھی کے زیرِ سایہ ہوئی، بیس سال سے زیادہ آپ ماموں کے پاس رہے۔ ماموں کی دو بیٹیاں لیّا اور راحیل آپ کے نکاح میں آئیں۔

آپ راحیل سے شادی کرنا چاہتے تھے جب کہ راحیل چھوٹی تھی۔ ماموں نے آپ سے کہا:

''یہ بات ہمارے دستور کے خلاف ہے کہ بڑی بیٹی بیٹھی رہی اور چھوٹی کی شادی کر دی جائے، لہٰذا اگر تم بڑی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو میں تیار ہوں۔''

آپ نے ماموں کی بات مان لی اور حق مہر کے طور پر دس سال تک اپنے خسر کی بکریاں چرائیں۔ اس کے بعد ماموں نے اپنی بیٹی لیّا سے آپ کی شادی کر دی۔ پھر جب لیّا کا انتقال ہو گیا تو ماموں نے دوسری بیٹی راحیل کا نکاح آپ سے کر دیا۔

ان دونوں بیویوں سے آپ کے ہاں بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلی بیوی لیّا سے دس بیٹے اور راحیل سے دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامن پیدا ہوئے۔ گویا حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی صرف بنیامین تھے۔ باقی بھائی سوتیلے تھے۔

آپ کے سب بیٹوں کی شادیاں ہوئیں۔ ہر ایک کے اولاد ہوئی۔ اس طرح پھیلتے پھیلتے یہ 12 قبیلے بن گئے۔ ان بارہ لڑکوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

آج کے زمانے کا اسرائیل بھی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن ان میں ایک بات بھی یعقوب علیہ السلام کی اولاد جیسی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں بہت برکت دی۔

یہ بارہ قبیلے پھیلتے چلے گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ایک اور برکت یہ ہوئی کہ دس انبیاء کرام کے علاوہ باقی تمام انبیاء کرام اور رسول ان کی اولاد میں سے پیدا ہوئے۔

(معارف القرآن)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے باپ دادا بھی نبی تھے اور آپ کے صاحب زادے بھی نبی ہوئے۔ انبیاء کی جماعت میں یہ خصوصیت صرف آپ ہی کو حاصل ہے۔

جب آپ اپنے ماموں کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو انہی دنوں آپ کو نبوت ملی۔ آپ

کی نبوت کا علاقہ کنعان ہے۔ یعنی آپ کنعان کے لوگوں کے نبی ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر 40 سال تھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کنعان کے لوگوں کی اصلاح کا حکم دیا۔ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق دین کی تبلیغ کا حکم ملا۔ یعنی کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی۔

نبوت ملنے کے بعد آپ نے ماموں اور خسر سے اجازت چاہی تو انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور بہت مال اور بکریوں کے ریوڑ دے کر آپ کو نہایت عزت سے رخصت کیا۔ اس طرح آپ کنعان روانہ ہوئے۔ کنعان فلسطین ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ وہاں کے بادشاہ کو بھی دعوت دی اور ان لوگوں کو شرک سے روکا۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت آپ مصر میں تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور پوچھا:

''تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟'' ان سب نے جواب دیا:

''ہم سب اس کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور جو آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کا معبود ہے۔ وہی معبود جو یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم سب اسی کے اطاعت گزار رہیں گے۔''

اس کا مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ آپ کی اولاد صراطِ مستقیم پر رہے، بھٹک نہ جائے۔ آپ کی اولاد راہِ حق پر تھی، اسی لیے سب کے سب نے یہ جواب دیا تھا۔

مصر پہنچنے پر آپ کی عمر 130 سال ہو چکی تھی۔ 17 سال آپ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہے اور 147 سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کا مزید ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ! اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ دس بیٹے ایک بیوی سے اور دو بیٹے دوسری بیوی سے تھے۔ یہ دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین تھے۔ ایک تو حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے، پھر بے حد حسین تھے، اس لیے قدرتی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو آپ سے بے تحاشا محبت تھی۔ اس بے تحاشا محبت کی وجہ سے بڑے دس سوتیلے بھائی آپ سے حسد کرنے لگے تھے۔

آپ کی عمر 12 سال ہوئی تو آپ نے ایک خواب دیکھا۔ آپ نے اپنا یہ خواب والدِ محترم کو سنایا:

"اے ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔" (سورہ یوسف)

قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مسلسل بیان کیا گیا ہے اور اسے بہترین واقعہ کہا گیا ہے اور یہ پورا واقعہ سورہ یوسف میں بیان ہوا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سنا تو اس کی تعبیر سمجھ گئے۔ چنانچہ آپ سے فرمایا:

"اے میرے پیارے بیٹے! تو اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا،

ورنہ یہ تیرے خلاف کوئی فریب آمیز کارروائی کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے ہی یہ بات محسوس کر چکے تھے کہ ان کی یوسف سے بے تحاشا محبت کی وجہ سے ان کے بیٹے ان سے حسد کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ یہ خواب انہوں نے سن لیا تو کہیں کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ شیطان انہیں بہکا نہ دے۔

اور ایک دن ان کا حسد ان کی زبان پر آ ہی گیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے:

''یوسف اور اس کا بھائی بنیامین ہمارے باپ کو ہماری نسبت زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک طاقت ور جماعت ہیں اور یہ ہمارے والد کی کھلی زیادتی ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے حضرت یوسف کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ دراصل وہ چاہتے تھے، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی طرح باپ سے جدا کر دیں۔ اب اس کی کئی صورتیں تھیں۔

ایک یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اسے کسی دور دراز جگہ چھوڑ آئیں۔ ان میں سے یہودا نے مشورہ دیا:

''ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ کسی طرح باپ کی توجہ یوسف سے ہٹ جائے اور وہ ہم سے محبت کرنے لگیں...... اس لیے یوسف کے قتل کا گناہ اپنی گردن پر لینے کی ضرورت نہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کہیں دور جنگل میں کوئی غیر آباد کنواں ہو تو اس میں اسے پھینک دیتے ہیں...... ورنہ قتل کے بعد کسی نہ کسی کی لاش پر نظر پڑے گی تو شک ہم پر ہی جائے گا۔ غیر آباد کنویں میں ڈالنے سے کم از کم اتنا تو ہوگا کہ ہم لوگ قتل کی بدنامی سے محفوظ رہیں گے۔''

تمام بھائیوں نے یہودا کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ادھر انہیں کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ اب تو وہ اور زیادہ آپ کے خلاف ہو گئے، چنانچہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اے ابا جان! اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے، حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں...... ہم سیر کے لیے جا رہے ہیں، آپ اسے بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، یہ ہمارے ساتھ کھیلے گا...... کھائے پیے گا اور یقین جانیے، اس کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے۔''

ان کی اس بات کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''تم اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو...... یہ بات تو میرے لیے غم کا سبب ہوگی...... میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اس کی طرف سے غافل نہ ہو جاؤ اور کوئی بھیڑیا اسے نہ کھا جائے۔''

اس علاقے میں دراصل بھیڑیوں کی کثرت تھی، اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا...... آپ کی بات سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا:

''آپ بلاوجہ گھبرا رہے ہیں...... ہم ان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں...... ہم دس طاقت ور جوان کیا اپنے چھوٹے بھائی کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔''

انہوں نے بہت اصرار کیا...... آخر حضرت یعقوب علیہ السلام مجبور ہو گئے...... اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

روانگی سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دو بڑے بیٹوں یہودا اور روبیل سے پھر کہا:

''دیکھو! تم یوسف کا خاص خیال رکھنا۔''

آپ کافی دور تک ساتھ بھی گئے۔ جب تک والد نظر آتے رہے۔ انہیں دکھانے کے لیے بھائیوں نے انہیں گود میں اٹھائے رکھا۔ کبھی ایک بھائی گود میں لے لیتا تو کبھی دوسرا کندھے پر بٹھا لیتا۔ یہاں تک کہ والد نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب وہ فوراً ہی دل کا غبار نکالنے لگے۔ گود سے نیچے پھینک دیا۔ یوسف رونے لگے۔ ان سے کہنے لگے:

''بھائیو! تم مجھ سے ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟''

ان کے دل تو پتھر ہو چکے تھے...... انہوں نے ذرا بھی ترس نہ کھایا...... الٹا انہیں مارنے پیٹنے لگے...... اب آپ یہودا کے پاس گئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خاص طور پر انہیں ان کا خیال رکھنے کے لیے کہا تھا۔

''بھائی...... آپ تو کچھ خیال کریں...... ابا جان سے آپ نے کیا وعدے کیے تھے۔''

اس پر یہودا کو کچھ ترس آیا...... وہ باقی بھائیوں اور یوسف علیہ السلام کے درمیان آ گیا، اس پر بھائیوں نے کہا:

''اچھا تو اب تو اس کی حمایت کر کے باپ کی نظروں میں اچھا بننا چاہتا ہے...... اگر تو نے ہمارے راستے میں روڑا اٹکایا تو ہم تیرا بھی خاتمہ کر دیں گے۔ یہودا نے دیکھا کہ سارے بھائی ایک طرف ہو گئے اور وہ اکیلا رہ گیا ہے اور یہ مجھے بھی مار ڈالیں گے تو اس نے کہا:

''تم نے یوسف کو مار ڈالنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو ایسا کرو...... اسے کسی کنویں میں گرا دو اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی...... اس جنگل میں ایک ویران کنواں موجود ہے...... اسے اس میں گرا دو...... یہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس طرح بیان کیا:

''پھر لے چلے اسے (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو) کہ اسے گمنام کنویں میں ڈال دیں۔''

آخر وہ اس کنویں کے پاس آ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھایا اور کنویں میں گرانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا:

''اے جبرئیل! جا ہمارے ستم رسیدہ یوسف کو کنویں کی تہ میں گرنے سے سنبھال لے۔''

حکم ملتے ہی جبرئیل علیہ السلام کنویں پر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے گرنے سے پہلے ہی آپ کو تھام لیا اور کنویں میں ابھرے ہوئے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کنویں میں یوسف علیہ السلام کو تسلی دی، فرمایا:

''تو انہیں ان کے اس واقعے سے ایک دن آگاہ کرے گا اور ان کی یہ حالت ہوگی کہ یہ تجھے پہچانتے نہیں ہوں گے۔''

یعنی ایک وقت آئے گا جب تم ان بھائیوں کو ان کے ظلم یاد دلاؤ گے اور تم اس وقت ایسے بلند مقام پر ہو گے کہ یہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے۔

ان الفاظ میں آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ اس کنویں میں ہلاک نہیں ہوں گے، زندہ رہیں گے، آپ کو کنویں سے نکال لیا جائے گا، سب بھائی مل کر بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ آپ کو اعلیٰ مرتبہ ملے گا اور ایک وقت آنے والا ہے کہ آپ ان بھائیوں کو ان کا سلوک یاد دلائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنویں میں گرانے کے بعد آپ کے کرتے کو کسی جانور کے خون میں رنگ دیا اور یہ کرتا لیے واپس روتے پیٹتے گھر پہنچے...... ظاہر ہے، ان کا یہ رونا فرضی تھا۔ آتے ہی کہنے لگے:

''اے ہمارے ابا جان! ہم سب آپس میں دوڑ لگا رہے تھے، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں لگ گئے۔ یوسف کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا...... بس ایک بھیڑیا اسے کھا گیا، ہم جانتے ہیں، آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں۔''

انہوں نے یہ جھوٹی کہانی گھڑ ڈالی پھر حضرت یوسف کا خون میں لتھڑا ہوا کرتا یعقوب علیہ السلام کو دکھایا...... لیکن ان میں اتنی عقل نہیں تھی کہ کرتے کو چیر پھاڑ ڈالتے...... بس خون لگا کر لے آئے۔ اس کرتے کو دیکھتے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

''وہ بھیڑیا کتنا ہوشیار اور عقل مند تھا کہ اس نے میرے بیٹے کے کرتے پر ایک دانت بھی نہ مارا۔''

یعنی یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے کھالیا اور کرتا جوں کا توں رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سوال کا جواب نہ دے سکے۔ دراصل آپ کو حضرت یوسف علیہ

السلام کا خواب یاد تھا...... اور اطمینان تھا کہ آپ جہاں بھی ہیں، زندہ سلامت ہیں......اور بھیڑیے والی کہانی من گھڑت ہے......ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اطمینان دلا دیا ہو۔آپ نے ان سے فرمایا:

''یہ سب تمہاری سازش ہے،اپنے دلوں سے گھڑی ہوئی باتیں ہیں،بہر حال میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں، نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ کروں گا، نہ تم سے کوئی انتقام لوں گا،صرف اپنے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس معاملے میں میری مدد فرمائے۔

ادھر کنویں کا حال سنیے۔ بھائیوں نے تو اس خیال سے آپ کو کنویں میں ڈالا تھا کہ حضرت یوسف مارے خوف کے مر جائے گا مگر ہوا یہ کہ تین دن گزر جانے پر بھی حضرت یوسف کنویں میں خیر و عافیت سے رہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت سے زندہ رکھا۔ ایسے میں ایک قافلہ اس طرف سے گزرا۔انہیں پانی کی ضرورت تھی۔کنواں نظر آیا تو ایک دو آدمیوں کو پانی نکالنے کے لیے کہا۔انہوں نے کنویں میں ڈول ڈالا......ڈول نیچے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خیال کیا، ان کے بھائیوں کو ان پر ترس آ گیا ہے......اور انہیں نکالنے کے لیے یہ ڈول ڈالا ہے، چنانچہ آپ ڈول میں بیٹھ گئے۔

قافلے کے ساتھیوں نے جب ڈول نکالا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی......ڈول میں ایک نہایت حسین اور جمیل لڑکا موجود تھا۔مارے حیرت کے ان میں سے ایک چلا اٹھا:

''واہ ری خوش قسمتی! یہ تو ایک لڑکا ہے۔''

ڈول کھینچنے والے کی خوشی اور حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں غلامی کا رواج تھا......کسی کے ہاتھ کم عمر اور خوب صورت لڑکا لگ جاتا تو وہ اسے بہت بڑی دولت سمجھتے تھے......کیونکہ ایسے لڑکے کی بہت اچھی قیمت مل جاتی تھی......اور حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر خوب صورت تو آج تک اس نے کوئی لڑکا دیکھا ہی نہیں تھا......اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سارے عالم کے حسن و جمال کا نصف حصہ عطا فرمایا تھا......اور باقی نصف حصہ ساری مخلوق پر تقسیم فرمایا ہے، آپ کے دائیں رخسار پر ایک تل

تھا۔ اس تل کی وجہ سے آپ کا حسن اور بھی بڑھ گیا تھا۔ آپ میں نزاکت اس قدر تھی کہ کوئی پھل کھاتے تو حلق سے اترتا نظر آتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنویں میں ڈالنے کے بعد بالکل بے فکر نہیں ہو گئے تھے بلکہ کنویں کے آس پاس پھرتے رہتے تھے کہ دیکھیں یوسف کا کیا بنتا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ قافلے والوں نے آپ کو کنویں سے نکال لیا ہے تو فوراً ان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا:

''یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے...... اس کی عادت اچھی نہیں...... اس لیے ہم اسے فروخت کرنا چاہتے ہیں...... تم خریدنا پسند کرتے ہو تو خریدلو، ورنہ اسے ہمارے حوالے کرو، مگر اسے سخت نگرانی میں رکھنا، کہیں یہ تمہارے پاس سے بھی نہ بھاگ جائے۔''

قافلے والوں نے آپ کو چند سکوں میں خریدلیا۔ آپ کے بھائیوں نے وہ چند سکے بھی آپس میں تقسیم کرلیے، البتہ یہودا نے وہ پیسے نہیں لیے۔

قافلے والے چند سکوں کے بدلے حضرت یوسف علیہ السلام کو لیے آگے روانہ ہو گئے...... وہ بہت خوش تھے...... چند سکوں کے بدلے میں اتنا اچھا غلام ہاتھ لگا تھا... البتہ انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ ان کے پاس سے بھی بھاگ نہ جائے...... اس لیے مصر پہنچتے ہی انہوں نے آپ کو فروخت کرنے کی ٹھانی...... انہوں نے اعلان کیا:

''ہم اس غلام کو فروخت کرنا چاہتے ہیں...... جو خریدنا چاہے، آکر دیکھ لے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی حد سے زیادہ خوب صورتی کو دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے اور بڑھ چڑھ کر قیمت لگانے لگے۔ آخر کار عزیز مصر نے آپ کو خریدلیا۔ یہ شخص مصر کا وزیر خزانہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ فوج کا افسر تھا۔ اس کی بیوی کا نام زلیخا تھا۔ اس کا نام راعیل آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی) عزیز مصر نے اس سے کہا:

''دیکھو! کتنا پیارا، ہونہار لڑکا ہے...... اسے پورے احترام سے رکھنا، غلاموں جیسا معاملہ نہ کرنا...... شاید بڑا ہونے پر ہمارے کام آئے، اور یہ ہمارا ہاتھ بٹائے...... ہمارے

ہاں اولاد تو ہے نہیں...... ہم اسے اپنا بیٹا بھی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔"

عزیز مصر کا نام تورات میں فوطی کار آیا ہے۔عزیز اس زمانے میں ایسے شخص کو کہتے تھے جسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا...... اور لوگوں کی نگاہ میں اس کی بڑی عزت تھی۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک غلام سمجھ کر خریدا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس پر آپ کے جوہر کھلنے لگے۔آپ کی سچائی، پاکیزگی اور دوسری خصوصیات سے وہ بہت متاثر ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے سارے کاروبار اور گھر بار کا آپ کو مالک بنا دیا...... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عزیز مصر کی آمدنی دوگنا ہو گئی۔(ترجمان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

"اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا آپ پر ایک فضل وکرم تو یہ ہوا کہ بھائیوں نے آپ کو کنویں میں گرا دیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھا بلکہ آپ کو معمولی سی خراش بھی نہ آئی...... حالانکہ آپ تین دن تک کنویں میں رہے، پھر جب آپ کنویں سے زندہ نکل آئے تو بھائیوں نے قافلے والوں کو آپ کے بارے میں بتایا کہ بھاگا ہوا غلام ہے...... اور چند سکّوں کے بدلے میں آپ کو فروخت کر دیا...... یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر پھر اپنا فضل فرمایا...... آپ کو بھائیوں کے ہاتھ سے بچایا...... گو اللہ تعالیٰ نے بھائیوں کے ظلم وستم سے بچا کر آپ کو مصر پہنچا دیا۔مصر میں آپ کو پھر فروخت کیا گیا...... اور خریدنے والے عزیز مصر نے بیوی کو آپ کے بارے میں تاکید کی کہ آپ کو غلام بنا کر نہ رکھے...... یہ سب آپ پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات تھیں...... اب یہ جو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا تو اس کا مطلب علماء کرام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔

قدرت کو ابھی آپ کے اور امتحان مقصود تھے...... اب یہ ہوا کہ عزیز مصر کی بیوی آپ کے حسن سے بہت متاثر ہو گئی۔اس نے آپ پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔جب آپ نے

اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو اس نے آپ کے خلاف ایک ایسا جال بچھایا کہ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس جال سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام ظاہر ہے، ان کے گھر میں رہتے تھے۔ وہ خوب بن سنور کر آپ کے سامنے آنے لگی...... آپ کو لبھانے کی کوشش کرنے لگی...... ایک دن آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہنے لگی:

''تمہارے بال کس قدر خوب صورت ہیں۔''

جواب میں یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

''موت کے بعد یہ میرے جسم سے الگ ہو جائیں گے۔''

اب اس نے کہا:

''تمہاری آنکھیں کس قدر حسین ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''موت کے بعد یہ پانی ہو کر میرے چہرے پر بہہ جائیں گی۔''

اب زلیخا نے کہا:

''تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''یہ سب مٹی کی غذا ہے۔'' (معارف القرآن)

ان جوابات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آخرت کی فکر کو اس قدر مسلط کر دیا تھا کہ ساری لذتیں ان کے سامنے بے حقیقت ہو کر رہ گئی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اللہ کے نبی تھے، اس لیے زلیخا کے مکر و فریب کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی۔

ایک دن اس نے انتہا کر دی...... دروازوں کو تالے لگا دیے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگی:

''لو! آ جاؤ! میں تم سے کہہ رہی ہوں۔''

جواب میں یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا کی پناہ! وہ تیرا شوہر میرا آقا ہے...... اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہوا ہے، بلاشبہ احسان فراموش کبھی فلاح نہیں پاتے۔''

آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس شخص کے احسانات کا بدلہ بھلا اس طرح کیسے دے سکتا ہوں۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہم نے یوسف کو ایسے نشانات دکھائے کہ جن کو دیکھ کر یوسف گناہ سے محفوظ رہے۔''

اس بات کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی شکل آپ کے سامنے کر دی...... وہ آپ کو اپنی انگلی دانتوں میں دبائے خبردار کر رہے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ عزیز مصر کی صورت سامنے کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اور بھی کئی قول ہیں۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام اس کے شر سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ زلیخا نے سات دروازوں پر تالے لگائے تھے۔ اس کے بعد جو کمرہ آتا تھا، اس میں اس نے اپنی خواہش کا اظہار یوسف علیہ السلام سے کیا تھا۔ اب جب حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے تو زلیخا پیچھے بھاگی...... آپ جونہی پہلے دروازے کے پاس پہنچے، اس پر لگا ہوا تالا خود بخود کھل گیا...... آپ دروازہ عبور کر کے دوسرے کمرے میں آ گئے... زلیخا بدستور پیچھا کر رہی تھی...... آپ دوسرے دروازے پر آئے، اس کا بھی تالا خود بخود کھل گیا۔

اس طرح تالے کھلتے چلے گئے...... جب حضرت یوسف علیہ السلام آخری کمرے میں پہنچے تو زلیخا نے لپک کر آپ کا کرتا پکڑ لیا...... آپ نے جھٹکا مارا تو کرتا پھٹ گیا...... آپ جونہی دروازے پر پہنچے، آخری تالا بھی کھل گیا...... اب جو آپ باہر نکلے تو

عزیز مصر کو دروازے پر پایا...... ادھر زلیخا باہر نکلی...... اس نے جو اپنے شوہر کو دیکھا تو بدحواس ہوگئی اور بول پڑی:

''آپ کی بیوی کے ساتھ جو بُرے کام کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے۔ وہاں اسے ایسی سزا دی جائے کہ وہ اس سزا کو ہمیشہ یاد رکھے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ عورت الٹا ان پر الزام لگا رہی ہے تو آپ نے فرمایا:

''اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے یہی مجھے پھسلا رہی تھی۔''

آپ کے اس جواب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفائی ایک اور طریقے سے ثابت کی...... اس وقت وہاں ایک دودھ پیتا بچہ موجود تھا، وہ بول پڑا: (تفسیر ابن کثیر، معارف)

''یہ سب تیری بیوی کی شرارت ہے۔ اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔''

شیر خوار بچے کی یہ بات سن کر عزیز مصر نے آپ کا کرتا دیکھا...... وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے بیوی سے کہا:

''یہ تم عورتوں کی فریب کاری ہے، بے شک تمہارا مکر بہت خوفناک ہے۔''

پھر اس نے آپ سے کہا:

''اے یوسف! تو اس واقعے کو نظر انداز کر دے۔''

ساتھ ہی اس نے اپنی بیوی سے کہا:

''اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، تو سراسر خطا کار ہے۔''

اب یہ ہوا کہ یہ واقعہ چھپا نہ رہا۔ عزیز مصر کی بدنامی ہونے لگی۔ بڑے بڑے گھرانوں کی عورتوں میں اس واقعے کا چرچا ہونے لگا...... وہ کہنے لگیں:

''دیکھو اس عورت پر کیا بھوت سوار ہوا، اپنے زر خرید غلام سے منہ کالا کرنا چاہتی تھی۔''

یہ باتیں زلیخا تک بھی پہنچ گئیں...... اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے ان سب عورتوں کی اپنے گھر دعوت کی۔ جب سب عورتیں آگئیں تو اس نے دستر خوان بچھا دیا...... اس پر پھل رکھے۔ ساتھ میں چھریاں رکھ دیں...... جن سے پھل کاٹے جاسکیں۔ جب سب نے اپنے اپنے ہاتھوں میں پھل کاٹنے کے لیے چھریاں پکڑ لیں تو اس نے ایک دم حضرت یوسف علیہ السلام کو اندر بلوالیا...... جونہی ان عورتوں کی نظریں حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑیں...... ان سب کی نظریں ان کے چہرے پر جم کر رہ گئیں...... اور انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھریوں سے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے...... یعنی انہیں ہوش ہی نہیں رہا کہ پھل کاٹ رہی ہیں یا انگلیاں کاٹ رہی ہیں...... اور ساتھ میں پکار اٹھیں:

''اللہ کی قسم! یہ آدمی نہیں...... یہ تو کوئی فرشتہ ہے۔''

جب ان عورتوں کی یہ حالت ہوگئی تو زلیخا نے ان سے کہا:

''یہی تو وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی ہو...... مگر یہ ظالم اس قدر سخت دل ہے کہ میرے قابو میں نہیں آیا۔''

پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا:

''کوئی بات نہیں یوسف! تو نے میری بات نہیں مانی...... میں بھی تجھے جیل بھجوا کر رہوں گی۔''

اس واقعے کے بارے میں باتیں جب زیادہ ہی پھیل گئیں تو عزیز مصر نے سوچا، یوسف علیہ السلام کو کچھ مدت کے لیے جیل بھجوا دینا ہی بہتر ہوگا تاکہ چہ میگوئیاں سرد پڑ جائیں۔''

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے حالات اس قدر خراب دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

''اے میرے رب! مجھے قید پسند ہے، اس بات کی نسبت جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہے...... اگر تو مجھے اس کے فریب سے نہیں بچائے گا تو میں بے عقل ہو جاؤں گا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یوسف کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی...... پھر ان سے اس کا فریب دور کر دیا، بے شک وہ سننے والا خبر دار ہے۔''

یہاں ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی دعا کیوں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے واقعے کے بعد زلیخا اپنے ارادے سے باز نہیں آئی تھی۔ اس کے اندر خواہش کی آگ اور بھڑک اٹھی تھی۔ اب وہ اور زیادہ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگی تھی...... اور آپ کو دھمکیاں دینے لگی تھی کہ وہ آپ کو جیل بھجوا دے گی...... وہ کہتی تھی:

''یا میری بات مانو یا جیل جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

اس نبیاد پر آپ نے دوسری بات کو ترجیح دی اور دعا کی:

''یا اللہ! میں اس شیطانی اور حرام کام کے مقابلے میں قید خانے کو بہتر سمجھتا ہوں...... قید کی سختیاں منظور ہیں...... تیری نافرمانی منظور نہیں۔''

ادھر عزیز مصر اپنی بیوی کی ان بے ہودہ حرکات کی وجہ سے بدنام ہو رہا تھا...... تنگ آ کر اس نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھجوا دے، اگرچہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں...... اور اس نے آپ کو جیل بھجوا دیا...... تاہم اس نے جیلر کو ہدایت کی کہ آپ کو قیدی نہ سمجھے، اس نے کسی مصلحت کے تحت آپ کو جیل بھجوایا ہے۔ انہیں آرام سے رکھے۔

اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر جیل میں آ گئے۔ جس زمانے میں آپ جیل پہنچے، اسی زمانے میں مصر کے بادشاہ ریان بن ولید کے دو ملازم جیل میں قید تھے۔ ان میں سے ایک بادشاہ کا باورچی تھا اور دوسرا ساقی تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دیا ہے...... ان دونوں کے مقدمے کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا......

ادھر جیل پہنچتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی عبادت اور ذکر وغیرہ کی وجہ سے شہرت

ہوگئی...... قیدی انہیں پسند کرنے لگے...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب کی تعبیر بتانے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی...... قیدی اپنے خوابوں کی تعبیر آپ سے پوچھنے لگے...... ایک روز ان دونوں نے بھی خواب دیکھے اور تعبیر پوچھنے کے لیے آپ کے پاس چلے آئے۔ ساقی نے اپنا خواب یوں سنایا:

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور سے شراب نچوڑ رہا ہوں......''

باورچی نے یہ خواب سنایا:

''میں نے دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں اور ان میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔''

ان کے خواب سن کر آپ نے ان سے فرمایا:

''تم لوگوں کو جیل میں جو کھانا ملتا ہے، اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتادوں گا، لیکن اس سے پہلے میں تم لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے تعبیر کا علم کہاں سے حاصل ہوا اور میرا مذہب کیا ہے...... سو تم سن لو، میں ان لوگوں کے دین پر نہیں ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے...... اور جو آخرت کے منکر ہیں...... اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ نہ میں کاہن ہوں نہ نجومی...... بلکہ میرے علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے...... اور میں ہمیشہ کافروں اور باطل پرستوں کے بنائے ہوئے دین سے دور رہا ہوں...... میں اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے دین پر رہا ہوں جو شرک سے بیزار اور ایک اللہ کو ماننے والے تھے۔''

یہ کہنے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا جُدا جُدا بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ یکتا اور سب سے زبردست؟''

تبلیغ کا فرض ادا کرنے کے بعد آپ نے خواب کی تعبیر بتائی۔ باورچی سے فرمایا:

''تو نے یہ خواب دیکھا ہے کہ تیرے سر پر روٹیاں ہیں اور پرندے ان روٹیوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں...... تمہیں اس مقدمے کے فیصلے کے بعد سولی دی جائے گی اور

پرندے تمہارے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔''

دوسرے کو آپ نے بتایا:

''تم نے خواب دیکھا ہے کہ انگور سے شراب نکال رہے ہو، تم جرم سے بری ہو جاؤ گے اور اپنے عہدے پر بحال ہو گے۔''

ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام نے بری ہونے والے سے فرمایا:

''تم اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کرنا...... انہیں بتانا کہ ایک ایسا شخص جو ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام ایسے برگزیدہ انبیاء کے خاندان سے ہے، ان کے دین کا پیروکار ہے، بےقصور اور بے گناہ جیل میں بند ہے۔''

یہ بات آپ کے شایان شان نہیں تھی کہ آپ جیسی ہستی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ظاہری اسباب پر بھروسہ کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

''سو اسے شیطان نے بھلا دیا کہ وہ اپنے مالک سے ذکر کرتا۔''

یعنی وہ ذکر کرنا بھول گیا۔ یعنی بری ہونے والا قیدی جب جیل سے نکلا تو پھر سے بادشاہ کا ساقی بن گیا تو اسے یوسف علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ یاد ہی نہ رہا۔ اس کے جیل سے رہا ہونے کے بعد یوسف علیہ السلام تقریباً سات سال تک جیل میں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور جیل سے رہائی کے اسباب پیدا فرمائے۔

ہوا یہ کہ مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے اپنا خواب درباریوں کو سنایا، خواب یہ تھا:

''میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات گائیں خوب موٹی ہیں اور سات گائیں دبلی ہیں۔ دبلی گائیں موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں...... اور میں نے دیکھا کہ سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات بالیاں خشک ہیں۔''

یہ خواب سنا کر اس نے درباریوں سے کہا:

''اے درباریو! اگر تم اس خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔''

درباریوں نے کہا:

''یہ خواب تو پریشان خیالات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس قسم کے پریشان خوابوں کی تعبیر کا ہمیں علم نہیں۔''

بادشاہ کے اس خواب کا چرچا ہو گیا۔ یہ بات بھی ہر طرف پھیل گئی کہ کوئی بھی بادشاہ کے خواب کی تعبیر نہیں بتا سکا۔ ایسے میں اس قیدی کو حضرت یوسف علیہ السلام کا خیال آیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اس خواب کی تعبیر لا سکتا ہوں اور وہ اس طرح کہ قید خانے میں ایک شخص ہے، وہ خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر ہے۔''

بادشاہ نے اسے اجازت دے دی...... وہ قید خانے میں آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اب اس نے کہا:

''اے یوسف! اے صدیق! اس خواب کی تعبیر تو ہمیں بتا دیجیے کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور سات بالیاں خشک ہیں۔''

آپ نے خواب سنا اور فوراً تعبیر بتا دی...... تعبیر بتانے میں نہ تو دیر کی...... نہ ساقی کو اس کی بھول پر شرمندہ کیا اور نہ کوئی شرط لگائی...... پھر وہ تو صرف تعبیر پوچھنے کے لیے آیا تھا، آپ نے اسے نہ صرف تعبیر بتائی بلکہ اس تعبیر کے مطابق آیندہ جو کام کرنے والے تھے، ان کے بارے میں بھی بتا دیا، چنانچہ آپ نے فرمایا:

''سات موٹی گایوں اور سات سبز بالیوں سے مراد سات سال ہیں، ان سات سالوں میں خوش حالی ہو گی۔ کھیتی باڑی خوب ہو گی، حیوانات خوب موٹے ہو جائیں گے...... اس کے بعد سات سال ایسے آئیں گے کہ ان میں قحط پڑے گا...... ان میں جمع شدہ غلہ سب ختم ہو جائے گا...... صرف آیندہ بیج ڈالنے کے لیے تھوڑا سا بچ رہے گا، دبلی گایوں اور خشک بالیوں سے بھی سات سال مراد ہیں۔ ان سات سالوں میں دبلی گائیں اور سوکھی بالیاں،

موٹی گایوں اور سبز بالیوں کو ختم کر دیں گی اور اس قحط سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ خوش حالی کے زمانے میں جو غلہ پیدا ہو، اسے بڑی حفاظت سے رکھنا ہوگا، احتیاط سے خرچ کرنا ہو گا۔اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اسے الگ کر لیا جائے اور تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے...... باقی غلّے کو بالیوں ہی میں رہنے دیا جائے تا کہ کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہے اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک چل سکے۔ایسا نہ کیا گیا تو قحط کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا۔''

یہ تعبیر اور تدبیر بتانے کے بعد آپ نے فرمایا:

''سات سال تک قحط کے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا، خوب بارشیں ہوں گی ،غلّہ اور پھل خوب پیدا ہوں گے۔جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔''

ساقی نے ان تمام باتوں کو پلّے باندھا اور آپ سے رخصت ہو کر بادشاہ کی خدمت میں آیا...... اس نے یہ ساری تفصیل سنائی...... بادشاہ سن کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا:

''ایسی بزرگ ہستی کو جیل میں ڈالے رکھنا ظلم ہے...... انہیں فوراً جیل سے نکالو اور میرے پاس لاؤ تا کہ میں ان کے پاؤں چھولوں...... ان کی زیارت کر سکوں...... خود ان کے منہ سے اپنے خواب کی تعبیر سن سکوں۔''

بادشاہ کے آدمی جیل پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا:

''بادشاہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''اپنے بادشاہ سے کہو، ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے، جنہوں نے چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹے؟ بے شک میرا رب ان کی پر فریب کارروئیوں سے خوب واقف ہے۔''

آپ کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ پہلے میرے بارے میں تحقیقات کی جائیں...... مجھے جس الزام میں قید میں ڈالا گیا ہے...... اس کے بارے میں ان عورتوں سے پوچھا جائے...... پھر میں جیل سے باہر آؤں گا۔

چونکہ آپ اللہ کے نبی تھے...... آپ کو معلوم تھا کہ کسی پیغمبر کے بارے میں ذرا سی بدگمانی بھی تبلیغ کے کام میں رکاوٹ ڈال سکتی ہے۔ اگر آج ہی شاہی حکم ملتے ہی جیل خانے سے باہر نکل کھڑا ہوا تو ممکن ہے لوگ میری پاک دامنی پر شک کریں۔ لہٰذا جیل سے نکلنے سے پہلے اپنی پاک دامنی ثابت کرنا ضروری ہے...... اسی لیے آپ نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی۔ آپ نے قاصد سے فرمایا:

''اپنے بادشاہ سے جا کر کہو، تجھے ان عورتوں کا مقصد معلوم ہے...... جنہوں نے دعوت کے موقعے پر پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔'' (سورۃ یوسف)

بادشاہ کو آپ کا پیغام ملا تو اس نے ان عورتوں سے واقعے کی حقیقت معلوم کی، ان سب نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم نے یوسف میں ذرا سی بھی برائی نہیں پائی۔''

جب ہاتھ کاٹنے والی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کرلیا تو اب زلیخا کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کرلیتی، چنانچہ اس نے کہا:

''اب تو سچی بات سب پر کھل ہی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہی اسے اپنے لیے آمادہ کرنا چاہا تھا اور بلاشبہ وہ راست باز ہے۔''

جب ساری کہانی کھل کر سامنے آ گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

''اس تحقیقات سے میرا مقصد یہ تھا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے میں نے اس سے کوئی خیانت نہیں کی اور اسے یہ معلوم ہو جائے کہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو خدا چلنے نہیں دیتا۔''

آخر حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے نکل کر شاہی دربار کی طرف روانہ ہوئے۔ دربار کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

''میری دنیا کے لیے میرا رب کافی ہے اور ساری مخلوق کے بدلے میں میرا رب میرے

لیے کافی ہے جو اس کی پناہ میں آ گیا، وہ بالکل محفوظ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دربار میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

پھر بادشاہ آپ کے سارے حالات سن کر اور آپ کی بیان کردہ تعبیر سن کر پہلے ہی آپ سے بہت متاثر ہو چکا تھا...... آپ سے ملاقات ہوئی تو اور زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ ملاقات کے دوران بادشاہ نے پوچھا:

''اس تعبیر کی روشنی میں قحط کے سات سال گزارنے کی کیا تدبیر ہے۔''

اس پر آپ نے جواب میں فرمایا:

''آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں۔ میں ایک اچھا محافظ اور ان امور سے واقف ہوں۔''

بادشاہ آپ کے حالات دیکھ چکا تھا...... آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ اس نے یہ بات بھی جان لی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہی حکومت کرنے کے اہل ہیں، چنانچہ اس نے اپنے تمام درباریوں کو طلب کر لیا۔ پھر سب کی موجودگی میں شاہی تاج آپ کے سر پر رکھا۔ گویا صرف آپ کو وزیر خزانہ ہی نہیں پورے ملک کا بادشاہ بنا دیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا، لیکن یوسف علیہ السلام کی نظروں میں حکومت حاصل کرنا اہم نہیں تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ بادشاہ مسلمان بھی ہو جائے تاکہ جہنم کے عذاب سے بچ جائے۔ آخر آپ کی تبلیغ سے بادشاہ مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر قرطبی، مظہری، قصص الانبیاء)

ادھر عزیز مصر کی وفات ہو گئی تو بادشاہ نے آپ کو مشورہ دیا:

''اب آپ زلیخا سے نکاح کر لیں۔''

آپ نے بادشاہ کی یہ بات مان لی...... زلیخا سے آپ کا نکاح ہو گیا...... اس سے آپ کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

آپ نے تخت پر بیٹھتے ہی مصر کی رعایا کی راحت اور آرام کے لیے ایسے اقدامات کیے

کہ ساری رعایا خوش حال ہوگئی۔

اب شاہِ مصر کے خواب کے مطابق سات سال خوش حالی کے تھے۔ آپ نے ان سات سالوں میں غلّے کا ذخیرہ کرنا شروع کرایا...... لوگوں کو اس کی تدبیریں بتائیں۔ زائد گندم کو اس کی بالیوں میں رکھا جانے لگا تاکہ کیڑا نہ لگے۔ ایک وقت کھانے کا حکم فرمایا۔ شاہی باورچیوں اور درباریوں کو بھی ایک وقت کھانے کا حکم دیا۔ آپ خود بھی ایک وقت کھانے لگے...... اس پر لوگوں نے کہا:

''آپ تو مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں...... پھر آپ کیوں ایک وقت کھاتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رعایا کی بھوک کا احساس ہے۔''

آخر ملک میں قحط شروع ہوگیا۔ ملک کے دور دراز حصوں سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے۔ ایک روز ایک نوجوان آیا۔ اس نے غلے کی ضرورت بیان کی۔ آپ نے اسے غلہ دینے کا حکم دیا۔ وہ غلہ لے کر چلا گیا۔ وہ پھر آیا اور غلے کا سوال کیا۔ آپ نے اسے پھر غلّہ دینے کا حکم دیا۔ وہ تیسری بار پھر آیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

''بندۂ خدا! خیال کر۔ اس وقت قحط کی کیا حالت ہے...... لوگ کس قدر پریشان ہیں۔''

اس پر اس نے کہا:

''اگر آپ کو میرے بارے میں معلوم ہو جائے تو آپ مجھے انکار نہیں کریں گے۔''

اب آپ نے اس سے پوچھا:

''اپنا حال بیان کر۔''

اس نے کہا:

''میں وہی لڑکا ہوں، جس نے شیرخوارگی میں آپ کی پاک دامنی کی گواہی دی تھی۔ اب میں جوان ہو گیا ہوں۔''

یوسف علیہ السلام یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے کئی من غلّہ دیا اور نقد رقم بھی دی۔

قحط اس قدر سخت تھا کہ اس سے صرف مصر ہی نہیں آس پاس کے ملک بھی متاثر ہوئے تھے۔ کنعان بھی قحط کی زد میں آ گیا...... آپ کنعان میں پیدا ہوئے تھے...... کنعان فلسطین کا ایک علاقہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی قحط کی زد میں آ گئے۔ یعقوب علیہ السلام کو پتا چلا کہ مصر کا بادشاہ بہت رحم دل ہے، فیاض ہے...... اور اس کے پاس غلّے کے ذخائر ہیں، لہٰذا وہاں سے لوگوں کو غلّہ مل رہا ہے...... یہ بات معلوم ہونے پر آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

''تم بھی مصر سے جا کر غلّہ لے آؤ۔''

اب چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو ایک اونٹ سے زیادہ غلّہ نہیں دیتے تھے، اس لیے آپ نے اپنے سبھی بیٹوں کو بھیج دیا...... البتہ چھوٹے بیٹے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو کیا معلوم تھا کہ وہ غلّہ لینے اسی بھائی کے پاس جا رہے ہیں جسے انہوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا۔

اس وقت اس واقعے کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ اس لیے جب آپ کے بھائی آپ کے سامنے آئے تو وہ آپ کو نہ پہچان سکے، البتہ آپ نے انہیں پہچان لیا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا وہ بھائی بادشاہ بھی بن سکتا ہے۔ آپ انہیں پہچان تو گئے، لیکن یہ بات ان پر ظاہر نہ کی کہ آپ ان کے بھائی ہیں۔ آپ نے ان سے کہا:

''تم لوگ تو مصری معلوم نہیں ہوتے......''

اس پر وہ بولے:

''اے رحم دل بادشاہ! ہم لوگ کنعان کے رہنے والے ہیں اور نبی زادے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''ہمیں تمہاری بات کا کیسے یقین آئے...... ہمیں تو تم پر جاسوسی کا شبہ ہے۔''

وہ ایک ساتھ بول پڑے:

"اے رعایا پرور بادشاہ! ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عرض کرتے ہیں، ہم نے آپ کی تعریف سنی تھی۔ کنعان میں غلّے کا قحط ہے، اس لیے آپ سے غلّہ لینے کے لیے آئے ہیں اور ہم جاسوس نہیں ہیں، بلکہ ہم تو اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔"

اس پر آپ نے پوچھا:

"تمہارا اور بھی کوئی بھائی ہے؟"

اب ان میں سے ایک نے کہا:

"ہم بارہ بھائی تھے...... مدت گزری...... ہمارا چھوٹا بھائی جنگل میں گم ہو گیا تھا۔ اس سے ہمارے والد کو بہت محبت تھی۔ اس کے گم ہونے کی وجہ سے ہمارے والد کی بینائی پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔ اس کے بعد وہ اس سے چھوٹے بھائی سے محبت کرنے لگے ہیں، اسی لیے انہوں نے اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔"

اس گفتگو کے بعد آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا:

"وطن واپسی تک یہ لوگ شاہی مہمان ہیں۔ انہیں فی کس ایک اونٹ غلّہ دے دیا جائے۔"

اس پر انہوں نے کہا:

"ہمارے چھوٹے بھائی کے نام کا غلّہ بھی دے دیا جائے تو بہت مہربانی ہوگی۔"

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"یہ بات ہمارے قانون کے خلاف ہے کہ آدمی موجود نہ ہو اور اس کے حصے کا غلّہ دے دیا جائے...... ہاں! تم آئندہ غلّہ لینے آؤ تو اس بھائی کو ضرور ساتھ لانا۔ اس وقت اس کے حصے کا غلّہ تمہیں مل جائے گا...... اگر تم آئندہ اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو اس صورت میں تمہیں غلّہ نہیں ملے گا...... کیونکہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں سمجھوں گا...... تم جھوٹ بول کر مزید غلّہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس صورت میں تم ہمارے ملک میں قدم بھی نہ رکھنا۔"

اس پر وہ بولے:

''واپس جا کر ہم اپنے والد کو ساری بات بتائیں گے اور اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ لانے کی پوری کوشش کریں گے۔''

وہ واپس کنعان پہنچے۔ والد بزرگوار کو سارے حالات سنائے۔ بادشاہ کے حسنِ سلوک کے بارے میں بتایا...... پھر جو شاہ مصر نے کہا تھا، وہ بھی بتایا اور بولے:

''آیندہ کے لیے ہم پر غلّے کی بندش کر دی گئی ہے...... ہاں صرف اس صورت میں غلّہ ملے گا جب ہم چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے جائیں گے...... کیونکہ ہم نے وہاں اس کے نام کا بھی غلّہ مانگ لیا تھا...... اس پر بادشاہ کو شک گزرا اور اس نے یہ پابندی عائد کر دی۔''

یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''میں بنیامین کے معاملے میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا... لیکن میں اللہ پر بھروسہ کر کے اسے تمہارے ساتھ بھیج دوں گا...... کیونکہ اللہ سب سے بہتر نگہبان ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے غلّہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور خوف زدہ بھی ہو گئے کہ انہوں نے غلّے کے لیے جو رقم ادا کی تھی...... وہ سب کی سب غلّے میں ہی موجود تھی۔

اور ایسا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا تھا...... آپ نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی تھی کہ ان کی نقدی غلّے میں چھپا دو۔ یہ بھائی اس لیے خوف زدہ ہوئے کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ان پر چوری کا الزام نہ لگ جائے...... کیونکہ مصر میں ان پر جاسوسی کا الزام پہلے ہی لگ چکا تھا، تاہم ان کا خوف جلد ہی دور ہو گیا...... وہ سمجھ گئے کہ یہ تو بادشاہِ مصر نے ان پر اور زیادہ مہربانی کا معاملہ کیا ہے۔

جب ان کا غلّہ ختم ہونے لگا تو انہوں نے پھر مصر جانے کا پروگرام بنایا...... لیکن اب معاملہ تھا بنیامین کو ساتھ لے جانے کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجتے ہوئے گھبرا رہے تھے، لیکن دوسری طرف مسئلہ تھا غلّے کا۔ آخر آپ نے فرمایا:

''میں بنیامین کو اس وقت تک تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتا جب تک کہ تم قسم کھا کر مجھے اس بات کا قول نہ دو کہ تم ضرور بنیامین کو میرے پاس واپس لاؤ گے...... ہاں تقدیر ہی تمہیں گھیر لے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

اس پر انہوں نے کہا:

''ہم آپ کو قول دیتے ہیں کہ بنیامین کو واپس لے کر آئیں گے۔''

یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''جو عہد و پیمان ہم نے کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہیں۔''

گویا اس مرتبہ آپ نے صرف اولاد کے کہنے پر معاملہ نہیں چھوڑا... بلکہ اللہ کے سپرد کر دیا...... اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قسم ہے میری عزت اور جلال کی کہ اب میں آپ کے دونوں بیٹوں کو آپ سے ملاؤں گا۔'' (معارف القرآن 94/5)

رخصت کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت فرمائی:

''اے میرے بیٹو! تم سب کے سب شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔''

آپ نے یہ نصیحت کیوں کی، اس کی وضاحت میں علماء نے لکھا ہے:

چونکہ گیارہ بھائی تندرست و توانا اور خوب صورت تھے، ایک باپ کی اولاد تھے، اس لیے ایک دروازے سے داخل ہونے کی صورت میں لوگوں کی نگاہیں ان پر اٹھتیں اور نظر بد لگنے کا خطرہ تھا۔

دوسرے یہ کہ پہلی مرتبہ بادشاہ نے ان کے ساتھ خاص مہربانی والا معاملہ فرمایا، انہیں دوبارہ آتے دیکھ کر کوئی حسد میں مبتلا ہو سکتا تھا...... اور ممکن تھا، کوئی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔

تیسری یہ کہ پہلی مرتبہ ان کے بارے میں جاسوس ہونے کی بات ہوئی تھی...... اب

احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی کوئی بات کسی کے منہ سے نہ نکل جائے اور یہ پریشانی میں نہ پھنس جائیں۔

ان باتوں کے پیشِ نظر آپ نے انہیں یہ نصیحت کی تھی۔ بہر حال والد کی نصیحت کے مطابق سب بھائی الگ الگ دروازے سے مصر میں داخل ہوئے...... اس سفر میں بھی انہوں نے بنیامین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا...... اسے سخت سست کہتے رہے، جھڑکیاں دیتے رہے، بنیامین صبر سے ان کے طعنے سنتے رہے۔ آخر یہ پھر دربار میں پیش ہوئے اور کہنے لگے:

''بادشاہ سلامت! آپ کے حکم کے مطابق ہم اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے آئے ہیں...... والد محترم انہیں ساتھ بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے...... ہم نے بہت منت سماجت کی تب انہوں نے اسے ساتھ بھیجا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے فوراً چھوٹے بھائی کو پہچان لیا، لیکن بنیامین نہ پہچان سکے۔ آپ نے انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم فرمایا...... انہیں اس طرح ٹھہرایا گیا کہ ایک ایک کمرے میں دو دو بھائی ٹھہرائے گئے...... بنیامین رہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام انہیں اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئے اور اس وقت آپ نے انہیں بتایا:

''میں تیرا بھائی یوسف ہوں، ان باتوں سے غمگین نہ ہو جو انہوں نے کی ہیں۔''

یہ سن کر بنیامین کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا...... دونوں بھائی گلے ملے۔ پھر بنیامین کہنے لگے:

''بھائی! اب تو میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا......''

اپنے چھوٹے بھائی کی بات سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تسلی دی۔ پھر اپنے بھائیوں کے لیے حکم فرمایا:

''انہیں غلّے کا ایک ایک اونٹ بھر کر دیا جائے۔''

بنیامین کے نام کا بھی اونٹ دیا گیا...... لیکن ان کے غلّے میں اپنا قیمتی پیالہ رکھوا دیا۔ اب سب بھائی غلّہ لے کر خوشی خوشی روانہ ہوئے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہی

خدمت گاروں کو ان کے پیچھے روانہ فرمایا...... یہ خدمت گار قافلے کے پاس پہنچے تو ان میں سے ایک نے اعلان کیا:

''اے قافلے والو! رک جاؤ...... تم یقیناً چور ہو۔''

یوسف علیہ السلام کے بھائی یہ سن کر دھک سے رہ گئے۔ غلّہ ملنے کی خوشی دھری کی دھری رہ گئی۔ انہوں نے کہا:

''ہم چور نہیں ہیں...... تم بتاؤ...... تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے؟...... ہم ابھی یہیں ہیں چاہو تو تلاشی لے لو۔''

ساتھ میں انہوں نے کہا:

''ہم تو یہاں پہلے بھی آچکے ہیں اور غلّہ لے کر جا چکے ہیں...... نہ ہم خود چور ہیں، نہ ہمارا چوروں کے کسی گروہ سے تعلق ہے۔''

اب شاہی خدمت گار نے کہا:

''ادھر ادھر کی باتیں مت کرو...... ہمارے بادشاہ کا قیمتی پیالہ غائب ہے...... تم یہ بتاؤ...... اگر وہ پیالہ تمہارے سامان سے مل گیا تو تمہاری کیا سزا ہے؟''

اس پر وہ بولے:

''اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے پیالہ ملے، وہی اس کے بدلے میں سزا بھگتے۔''

یہ سب لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے اور دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ ان کی شریعت میں چور کی سزا یہ تھی کہ جس کے پاس سے چوری کا مال نکلے اسے ایک سال کے لیے غلام بنا کر رکھا جائے۔

انہوں نے فوراً ہی یہ اعلان کر دیا، کیونکہ وہ تو جانتے تھے کہ انہوں نے چوری نہیں کی...... شاہی خدمت گار ان سب کو واپس لے گئے...... اور انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان کے سامنے تلاشی کا حکم دے دیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی ہوئی، پھر سب سے آخر میں بنیامین کی تلاشی لی گئی تاکہ بھائیوں کو کوئی

شک نہ ہو۔ اس طرح پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا۔ اب تو ان سب کے ہوش اڑ گئے...... فوراً پکار اٹھے:

''اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔''

یوسف علیہ السلام نے ان کی بات سن کر ان سے تو کچھ نہ فرمایا، البتہ دل میں کہنے لگے:

''تم تو چوروں سے بھی بدتر درجے میں ہو اور اللہ تعالیٰ اس الزام کے بارے میں خوب جانتا ہے جو تم لگا رہے ہو۔''

اصل میں تو ترکیب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کے لیے اختیار کی تھی...... اور ایسا بھی آپ نے بنیامین کی خواہش پر کیا تھا، کیونکہ وہ اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تھے اور یہ تدبیر بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی...... کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یعنی ہم نے اسی طرح تدبیر کی یوسف (علیہ السلام) کے لیے اپنے بھائی کو روکنے کی۔''

بنیامین کو روک لیا گیا تو سارے بھائی الجھن میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ اب والد صاحب کو کیا جواب دیں گے...... وہ تو پہلے ہی بنیامین کو ساتھ بھیجتے ہوئے ڈر رہے تھے، چنانچہ انہوں نے یوسف علیہ السلام سے درخواست کی:

''اے عزیز مصر! اس بنیامین کا باپ بہت بوڑھا ہے، سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو روک لیں۔ آپ بہت نیک ہیں۔''

اس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ کی پناہ! جس کے پاس سے چوری شدہ مال ملا ہے، ہم اسے چھوڑ کر، اس کی بجائے کسی اور کو کیوں گرفتار کریں...... اس طرح تو ہم بڑے بے انصاف ٹھہریں گے۔''

یعنی آپ نے ان سے فرما دیا:

''ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔''

اب تو وہ مایوس ہو گئے۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے جو سب سے بڑا تھا، اس نے کہا:

"کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے قسم دے کر تم سے پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس سے پہلے یوسف کے بارے میں سخت کوتاہی کر چکے ہیں...... سو میں تو اس سرزمین سے اس وقت تک نہیں ہلوں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا پھر اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

علماء نے لکھا ہے کہ یہ بڑا بھائی وہی یہودا تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشورہ دیا تھا:

"تم یوسف کو قتل نہ کرو، بلکہ کسی کنویں میں ڈال دو۔"

یعنی یہودا نے اس وقت بھی دوسرے بھائیوں کی نسبت نرم رویہ اختیار کیا تھا اور اب بنیامین کے حق میں بھی وہ ان کی نسبت نرم ثابت ہوا تھا۔

آخر باقی بھائی وہاں سے روانہ ہوئے۔ کنعان پہنچے اور یعقوب علیہ السلام کو ساری خبر سنائی۔ ساتھ ہی اپنی صفائی کے لیے کہنے لگے:

"آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں، جہاں ہم تھے اور ان قافلے والوں سے پوچھ لیں جن کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقین مانیں ہم سچ کہتے ہیں۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا صدمہ اٹھائے ہوئے، اب انہوں نے بنیامین کے بارے میں خبر سنی تو فرمایا:

"حقیقت یہ نہیں ہے...... بلکہ تم نے بات گھڑی ہے، میں نے پہلے بھی یوسف کے معاملے میں صبر کیا تھا، اب میں بنیامین کے بارے میں بھی صبر سے کام لوں گا، اب صبر ہی بہتر ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ انہیں مجھ تک پہنچا دے گا...... بے شک وہ جاننے والا اور

حکمت والا ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روتے روتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی تھی۔ باپ کی بات سن کر انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا:

"اتنی مدت گزر گئی...... اب بھی آپ یوسف کی رٹ لگائے جارہے ہیں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"میں تو اپنی بے چینی اور غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے جو باتیں میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔"

پھر آپ نے ان سے فرمایا:

"اے میرے بیٹو! تم ایک بار پھر مصر جاؤ...... میں نے مصر کے بادشاہ کے نام کے ایک خط لکھا ہے، تم یہ خط اسے دو۔"

باپ کا حکم پا کر بیٹے پھر مصر پہنچے۔ انہوں نے وہ خط حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا۔ آپ نے اس خط میں لکھا تھا:

"اے عزیز مصر! ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں جانا پہچانا ہے، میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کی آگ سے امتحان لیا گیا۔ پھر میرے والد اسحٰق کا امتحان لیا گیا...... پھر ایک بیٹے کے ذریعے میرا امتحان لیا گیا۔ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ یہاں تک کہ اس کی جدائی کے صدمے سے میری بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مجھ غم زدہ کی تسلی کا سامان تھا، اسے آپ نے چوری کے الزام میں روک لیا اور میں بتاتا ہوں، ہم اولادِ انبیاء ہیں، نہ ہم نے کبھی چوری کی نہ ہماری اولاد میں کوئی چور ہوا۔ (معارف القرآن جلد پنجم)

بھائیوں کی باتیں سن کر آپ کی حالت پہلے ہی بدل گئی تھی...... یہ خط پڑھ کر تو آپ سے رہا نہ گیا، آپ نے فوراً فرمایا:

"کیا تمہیں یاد ہے، تم نے اپنے بھائی یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک

کیا تھا؟''

بھائی عزیز مصر کی یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے کہ اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی، چنانچہ بولے:

''کیا آپ یوسف ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا، یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور تکلیف پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔''

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مارے شرم کے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ ساری صورتِ حال ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی تھی۔ آخر کہنے لگے:

''اس میں شک نہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بے شک ہم خطاوار ہیں۔''

آپ آخر اللہ کے پیغمبر تھے...... چناچہ پیغمبرانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں...... خدا تمہیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

گویا آپ نے انہیں فوراً ہی معاف کر دیا اور یہ بھی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں معاف کر دیں۔

آپ کو اپنے والد سے بچھڑے چالیس سال ہو چکے تھے۔ آپ نے اپنے بھائیوں کو اپنا کرتا دے کر فرمایا:

''تم میرا یہ کرتا لے جاؤ...... تم یہ کرتا والدِ محترم کے چہرے پر ڈال دینا...... ان کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی...... پھر تم انہیں اور باقی سب گھر والوں کو بھی یہیں لے آؤ۔''

اب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا لے کر روانہ ہوئے...... ادھر یہ لوگ کرتا لے کر مصر سے نکلے، ادھر کنعان میں تشریف فرما حضرت یعقوب علیہ السلام بول پڑے:

''مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔''

مصر اور کنعان کا درمیانی فاصلہ اڑھائی سو میل ہے...... یعنی آپ کو اڑھائی سو میل کے فاصلے سے کرتے کی خوشبو آ گئی...... یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے...... ورنہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر ہی میں موجود تھے...... اس وقت تو آپ نے کبھی نہ کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

آخر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور آپ کا کرتا حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا۔ کرتے کا چہرے پر ڈالنا تھا کہ آپ کی بینائی لوٹ آئی۔ اور آپ بول اٹھے:

''میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ جو باتیں اللہ کی طرف سے میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔''

پھر آپ نے پوچھا:

''تم نے یوسف کو کس حال میں پایا؟''

یہودا نے جواب دیا:

''پورے ملک میں ہر چھوٹا بڑا ان کی عزت کرتا ہے، سب ان کی تعریف کرتے ہیں...... اور اب تو وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔''

اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام بولے:

''میں نے تم سے یہ بات نہیں پوچھی کہ عزت اور وقار کے لحاظ سے اس کی کیا حالت ہے، میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ اس کی اپنی حالت کیسی ہے...... اس کے عمل کیسے ہیں۔''

اب انہوں نے کہا:

''وہ دین کی بہترین حالت پر ہیں۔''

اس کے بعد بھائیوں نے باپ سے اپنے کیے کی معافی ان الفاظ میں مانگی:

''اے ہمارے اباجان! ہمارے گناہوں کی اللہ سے بخشش طلب کیجیے...... بے شک ہم ہی خطاوار تھے۔''

جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''میں عن قریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

عنقریب سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ جمعے کی شب میں یا تہجد کے وقت تمہارے لیے دعا کروں گا...... کیونکہ وہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ اب یہ لوگ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ 67 افراد تھے۔ دوسری طرف یوسف علیہ السلام یہ اطلاعات لیتے رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر پہنچے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ آپ والدِ محترم کے استقبال کے لیے مصر سے باہر نکلے...... ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے والد بزرگوار کا شاہانہ استقبال کیا...... آپ نے یوسف علیہ السلام کو گلے سے لگالیا۔ یہ ملاقات 40 سال کی جدائی کے بعد ہوئی۔

اس طرح سب لوگ مصر میں داخل ہوئے۔ اب یوسف علیہ السلام نے چاہا، اپنے والد بزرگوار اور اپنے بھائیوں کا تعارف رعایا سے کرائیں۔ چنانچہ آپ نے دربار عام لگائے جانے کا حکم دے دیا۔ ایک اونچا چبوترا بنایا گیا...... اس پر ان سب حضرات کو عزت اور احترام سے بٹھایا گیا...... تاکہ سب لوگ انہیں دیکھ لیں...... حضرت یوسف علیہ السلام جب دربار میں حاضر ہوئے تو تمام درباریوں نے اس وقت کے دستور کے مطابق یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے والدین اور بھائی بھی سجدے میں گر گئے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بھرے دربار میں تعظیم کرائی۔ اور یہ سجدہ دراصل تعظیمی سجدہ تھا۔ پہلی امتوں میں تعظیمی سجدہ کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ حرام قرار دے دیا گیا۔

سجدے کے اس منظر کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام پکار اٹھے:

''اے میرے والدِ محترم! یہ اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا...... میرے رب نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔''

مصر کا بادشاہ جو تخت و تاج سے الگ ہو گیا تھا...... اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان کا بہت احترام کیا...... انہیں رہائش کے لیے زرخیز زمین دی اور یہ خاندان اس مقام پر آباد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو عروج عطا فرمایا، اس پر آپ نے ان الفاظ میں شکر ادا کیا:

''اے میرے رب! آپ نے مجھے حکومت کا ایک بڑا حصہ دیا اور آپ نے مجھے خزانوں کی تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا...... اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ آپ مجھے فرماں برداری کی حالت میں یعنی اسلام پر موت دیں اور مرنے کے بعد مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیں۔''

وفات سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ وصیت فرمائی:

''جب میری وفات ہو جائے اور بنی اسرائیل سرزمین فلسطین میں جا کر آباد ہوں تو میری لاش کو مصر میں نہ چھوڑیں، بلکہ میرے آبائی وطن کنعان میں والدِ بزرگوار یعقوب علیہ السلام اور دادا اسحٰق علیہ السلام کے پاس لے جا کر دفن کر دیں۔

جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کو دریائے نیل کے کنارے دفن کر دیا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو بذریعہ وحی انہیں حکم ہوا:

''حضرت یوسف علیہ السلام کی لاش کو نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کی وصیت کے مطابق انہیں باپ دادا کے پاس دفن کریں...... جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ملا تب آپ نے قبر کا پتا چلایا۔ پھر قبر کو کھود کر تابوت نکال کر اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت یعقوب و اسحٰق علیہما السلام کے پہلو میں دفن کیا۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

شعیب علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورا کی اولاد تھے۔ ان کی نسل کو اہلِ مدین کہا گیا۔ مدین اپنے بال بچوں کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قریب ہی حجاز میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ خاندان آگے چل کر ایک بہت بڑا قبیلہ بن گیا تھا۔ اس قبیلے کو اصحاب مدین کے علاوہ اصحابِ ایکہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ حجاز میں شام سے ملا ہوا تھا۔ (قصص القرآن)

آپ کا نسب نام اس طرح ہے:

شعیب بن حیفون بن عیفا، بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام

ایکہ جھنڈ کو کہتے ہیں۔ اصحاب ایکہ کا مطلب ہے جھنڈ والے...... ایکہ سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو بھی کہتے ہیں۔ مدین کی آبادی بحرِ قلزم کے کنارے پر آباد تھی، اس آبادی کا دوسرا سرا عرب کے شمال مغرب میں تھا۔ یہ شام کے ساتھ ملا ہوا حجاز کا آخری حصہ تھا۔ نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس علاقے کو اس قدر سرسبز و شاداب بنا دیا تھا۔ وہاں میوے دار درخت بے تحاشا تھے...... پھولوں کے باغات بھی اس قدر تھے کہ ان کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے تھے۔

قومِ عاد اور ثمود کی طرح مدین کی قوم بھی بت پرستی میں مبتلا ہوگئی۔ شرک کے ساتھ

ساتھ ان میں کم تولنے کا مرض بھی پیدا ہو گیا تھا...... چیزوں میں ملاوٹ بھی کرتے تھے۔ ڈاکے ڈالنا بھی ان کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ان تمام کاموں کو اپنی کاری گری اور ہوشیاری خیال کرنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حد درجے مغرور بھی ہو چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔ آپ بہت اچھے خطیب تھے۔ آپ نے لوگوں کو شرک سے بچانے کے لیے تبلیغ شروع کی۔ اللہ کی توحید کا درس دینے لگے، انہیں اللہ کی طرف بلانے لگے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرنے کی تلقین کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے" اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم پیمانہ بھرنے اور تول کے پیمانے میں کمی نہ کیا کرو، میں تمہیں خوش حال پاتا ہوں اور تمہیں اللہ کے ایسے عذاب کے دن سے ڈرانا چاہتا ہوں جو ہر قسم کے عذاب کا مجموعہ ہوگا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے ہر طرح سے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس بد بخت قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کے گزشتہ تباہ حال بھائیوں کی طرح انہوں نے بھی اللہ کے نبی پر اعتراضات شروع کر دیے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے الفاظ کو اس طرح بیان فرمایا" کہنے لگے، اے شعیب! کیا تیری نماز نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت ترک کر دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اور کہا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنا چھوڑ دیں، بے شک آپ بہت بردبار اور نیک چلن ہیں۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ سے چند آدمی ان پر ایمان لے آئے۔ یہ غریب لوگ تھے، مال دار اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے۔ جب کچھ لوگ دین کی بات سمجھنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے لگتے تو یہ مال دار لوگ انہیں روک دیتے۔ ان کا راستہ روک لیتے انہیں ڈراتے دھمکاتے اور مسلمانوں کے روبرو جاہلانہ باتیں کرتے۔

آپ نے انہیں بھی تبلیغ کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، الٹا وہ کہنے لگے ’’جولوگ تم پر ایمان لاتے ہیں، انہیں ہمارے حوالے کردو......اور تم خود یا تو ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ یا پھر ہماری بستی سے نکل جاؤ۔‘‘

انہوں نے آپ سے یہ بھی کہا:

’’اگر تمہارا قبیلہ اتنا بڑا نہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ تم لوگوں کو کیسے دین سے ہٹاتے ہو۔ ہم تمہیں پتھر مار مار کر مار ڈالیں گے۔‘‘

ان کی باتوں کے جواب میں آپ نے فرمایا:

’’میرا قبیلہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزیز ہے......اور اللہ تعالیٰ کو تم نے بھلا دیا ہے۔ یقیناً تم جو عمل کرتے ہو وہ سب میرے رب کے علم میں ہے۔‘‘

اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

’’تم سے پہلی قوموں نے بھی انبیاء کی مخالفت کی تھی اور اپنی ضد پر اڑے رہے تھے۔ اللہ نے ان سے انتقام لیا اور انہیں ان کے انجام تک پہنچایا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت کی وجہ سے تمہیں بھی کوئی ناگہانی آفت آگھیرے، اس لیے اب بھی وقت ہے، سنبھل جاؤ......اور نبی کی مخالفت کر کے اللہ کا عذاب نہ خریدو......جیسے حضرت نوح، ہود، یا صالح علیہ السلام کی قوموں پر نازل ہو چکے ہیں اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوم کا زمانہ تو تم سے دور بھی نہیں۔‘‘

ان تمام باتوں کے باوجود وہ بت پرستی پر اڑے رہے، ناپ تول میں کمی کرنے سے بھی باز نہ آئے الٹا یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دشمن ہو گئے۔ وہ آپ سے کہنے لگے ’’یا تو تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ یا اس بستی سے نکل جاؤ۔‘‘

حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ اب ان سے کوئی امید نہیں، آپ انہیں ہر طرح سے سمجھا چکے تھے، آخر آپ نے ان سے فرمایا:

’’اے میری قوم! تم اپنے دین پر عمل کرتے رہو......اور میں اپنے دین پر......تھوڑے ہی

دنوں میں تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے، کون جھوٹا ہے اور کون سچا۔"

اپنی قوم سے یہ کہنے کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"اے ہمارے رب! میرے اور میری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیں اور آپ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی قوم پر عذاب کی ابتدا ہوئی۔ اس قوم پر عذاب تین طرح سے آیا۔ عذاب سے پہلے ان کی بستی میں سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ اس گرمی سے لوگ بلبلا رہے تھے۔ پھر آسمان پر ایک گہرا بادل نظر آیا، اس بادل کی وجہ سے جنگل میں سایہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بستی سے نکل کر جنگل میں اس سائے کے نیچے آ گئے۔ اس طرح یہ خود ہی اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گئے۔ جب سب کے سب جمع ہو گئے تو اس بادل سے آگ برسنے لگی۔ پھر ایک سخت چنگھاڑ کی آواز آئی، اس کے بعد زلزلہ آیا۔ (معارف القرآن)

ان کی حالت قرآنِ کریم میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

"انہیں زلزلے نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔" (سورہ اعراف)

گویا وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے۔" (سورہ ہود، اعراف)

"خوب سن لو! مدین کے لوگ بھی رحمت سے اسی طرح دور کیے گئے جس طرح ثمود رحمت سے دور کیے گئے تھے۔"

یہ ایسی بری موت تھی جس کے تصور سے بھی دل لرز جاتے ہیں...... ایسے عذاب کے وقت آدمی منہ چھپاتا ہے اور زمین کو پکڑتا ہے...... انہوں نے بھی یہی کیا ہوگا...... اس لیے اوندھے پڑے پڑے ان کی جان نکل گئی۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے اس عذاب سے بالکل محفوظ

رہے۔ جب آپ علیہ السلام نے انہیں اس طرح مردہ حالت میں دیکھا تو ان مُردوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

''ارے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔ جن لوگوں نے حق کو قبول نہیں کیا...... ان پر افسوس کیوں کروں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی تباہی کے بعد حضر موت کے مشہور شہر شیون چلے گئے۔ اس کے مغربی جانب ایک مقام شبام ہے، وہاں آپ علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔

اگر کوئی شخص وادی ابن علی کی راہ سے ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر مبارک ہے، وہاں آبادی بالکل نہیں ہے۔ لوگ ان کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ (قصص القرآن)

اسی طرح اردن میں شہر سلط کے قریب وادی شعیب میں بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف منسوب قبر موجود ہے جو کہ حضر موت کی بنسبت وادی مدین سے زیادہ قریب ہے۔ (مزید تصاویر کے لیے دیکھیں: کتاب ''نقوش تاریخ اسلامی'')

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر قرآنِ کریم کی سورہ اعراف رکوع 11، سورہ توبہ رکوع 9، سورہ ہود رکوع 8، سورہ الحج رکوع 6، سورہ شعرا رکوع 10، سورہ عنکبوت رکوع 4 میں آیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ کا نام رحمت تھا۔ رحمت کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھیں۔ ان کا نام لیا بنتِ منشا بن یوسف علیہ السلام بھی آیا ہے۔ (معارف القرآن)

آپ کے ہاں سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ آپ کے پاس ایک ہزار اونٹ، ایک ہزار بکریاں، پانچ سو غلام، پانچ سو اہل وعیال تھے۔ آپ اس دور کے مال داروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

شیطان آپ کی اس درجے عبادت اور شکر گزاری سے حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اس نے آپ کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا:

''اے لعین! ایوب میرا نیک اور شکر گزار بندہ ہے۔ اس پر تو اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔''

اس پر شیطان نے کہا:

''یا اللہ! تو نے اسے مال عطا کیا ہے، ہر طرح کی نعمتیں دی ہیں، اولاد عطا کی ہے...... پھر وہ کیوں تیرا شکر ادا نہ کرے گا۔ اگر تو اس سے یہ تمام نعمتیں چھین لے تو یہ ہرگز تجھے یاد نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابلیس! تیرا یہ گمان غلط ہے، میرا ایوب ایسا نہیں کرے گا۔''

اب شیطان نے کہا:

''اگر تو مجھے اس کی اولاد اور مال پر اختیار دے دے تو معلوم ہوگا، وہ کس طرح تیری بندگی کرتا ہے۔''

پروردگار نے فرمایا:

''میں نے تجھے اس کی اولاد اور مال پر اختیار دیا۔''

ابلیس یہ سن کر خوش ہوگیا۔ اس نے اپنے چیلوں کو جمع کیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام مویشی دریا میں غرق کر دیے۔ پھر خود گوالے کے بھیس میں حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور آپ سے بولا:

''اے ایوب! تیرے سارے جانور دریا میں ڈوب گئے۔''

یہ سن کر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے...... اس نے اپنے نفس سے عطا فرمائے تھے اور عدل سے لے لیے۔''

آپ کی بات سن کر شیطان کو بہت مایوسی ہوئی...... اس نے اپنے چیلوں سے کہا:

''ایوب کے غلّے کو آگ لگادو...... کھیتی باڑی سب جلادو۔''

چیلوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی...... جب سب کچھ جل کر راکھ ہوگیا تو شیطان آپ کے پاس پھر انسانی روپ میں آیا اور بولا:

''ارے ایوب! آپ نمازوں میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کے سب کھیت جل کر راکھ ہوگئے ہیں...... باغات فنا ہوگئے ہیں۔''

اب پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا اور پہلے سے بھی زیادہ توجہ سے عبادت کرنے لگے۔ ایک بار پھر شیطان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب اس نے آپ کی اولاد پر وہ مکان گرادیا...... جس میں وہ سب موجود تھے۔ آپ کی اولاد اس

مکان کے ملبے میں دب گئی۔

شیطان نے اب یہ خبر آپ کو سنائی۔ اس پر بھی حضرت ایوب نے صبر اور شکر والا جواب دیا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ شیطان بہت نادم ہوا...... طیش میں آیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا:

''یا اللہ! مجھے ان کے بدن پر اختیار دے دے۔ پھر معلوم ہوگا، یہ کس درجے عبادت گزار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا:

''جا! میں نے تجھے ایوب کے بدن پر اختیار دیا...... البتہ ان کی زبان، دل اور کانوں پر تجھے اختیار نہیں ہوگا...... تو یہ بھی کر کے دیکھ لے۔''

چنانچہ شیطان نے آپ کو بیماری میں مبتلاء کر دیا۔

اب چونکہ تمام مال اسباب ختم ہو گیا تھا، اس لیے بی بی رحمت نے مزدوری شروع کر دی۔ آپ کو جو مزدوری ملتی، اس کا نصف حصہ تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف سے صدقہ کرتیں اور نصف سے گزر بسر کرتیں، اس میں سے خود بھی کھاتیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کو بھی کھلاتیں۔ جب آپ مزدوری کے لیے جاتیں تو آپ کے راستے میں شیطان آ جاتا۔ وہ انہیں ورغلانے کی کوشش کرتا اور کہتا:

''تم جوان ہو...... خوب صورت ہو، تمہیں مزدوری کرنے کی کیا ضرورت ہے...... اپنی جوانی کو ایسے آدمی کی خدمت میں کیوں برباد کر رہی ہے۔ مصر میں ایک سے ایک دولت مند آدمی موجود ہے...... چھوڑ اس بیمار شخص کو...... میں تیرا نکاح ایک بڑے دولت مند سے کرا دوں گا...... اس طرح تجھے عزت ملے گی۔''

رحمت بی بی بہت نیک تھیں...... انہوں نے شیطان کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی...... جھونپڑی میں واپس آتیں تو ساری بات آپ کو بتاتیں...... حضرت ایوب علیہ السلام ان سے کہتے:

"وہ ابلیس لعین ہے......تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔"

ایک دن ابلیس ایک طبیب کے روپ میں بی بی رحمت کے سامنے آیا اور کہنے لگا:

"اس بیماری کا علاج میں کرسکتا ہوں......شرط صرف یہ ہے کہ جب انہیں شفا ہو جائے تو انہیں اقرار کرنا ہوگا کہ انہیں شفا میں نے دی ہے......بس اس کے علاوہ میرا کوئی مطالبہ نہیں۔"

بی بی رحمت ان الفاظ کی گہرائی کو نہ پاسکیں......شیطان ان سے شرکیہ الفاظ کہلوانا چاہتا تھا......وہ آخر ایک عورت تھیں اور اپنے شوہر کی مستقل بیماری سے بہت پریشان تھیں......سب لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے......اس لیے ابلیس کی باتیں سن کر آپ خوش ہوگئیں اور خیمے میں لوٹ آئیں۔ انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کو پورا واقعہ سنایا۔ حضرت ایوب علیہ السلام آخر نبی تھے، فوراً سمجھ گئے کہ یہ حکیم دراصل شیطان مردود ہے۔ جس طرح اس نے اماں حوّا کو بہکا کر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوایا تھا......اسی طرح اب یہ ہم پر اپنا حربہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فوراً رحمت بی بی سے فرمایا:

"رحمت یہ حکیم دراصل شیطان ہے......اگر میں تندرست ہوگیا تو اس جرم کی سزا کے طور پر تمہیں سو بید ماروں گا۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کو شیطان کی بات پر اس قدر غصہ اس لیے آیا کہ اس نے شرکیہ پیغام دیا تھا......انبیاء علیہم السلام کو جو تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، وہ اپنی اولاد تک سے نہیں ہوتا۔

اب آپ کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں شیطان پھر میری بیوی کو نہ بہکائے......اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی "پروردگار! مجھے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔"

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ادب کہ تکلیف کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ شیطان کی طرف کی......اللہ پاک نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اچھی باتوں کی نسبت

اللہ تعالیٰ کی طرف کرے اور بری باتوں کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے۔

آپ نے اپنی دعا میں کوئی شکوہ نہیں کیا، کوئی شکایت نہیں کی...... اور یہ دعا بھی اس لیے کی تھی کہ بیماری کی شدت کی وجہ سے اب نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اس پر آپ کو صدمہ ہوا اور آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے:

''پروردگار مجھے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

آپ کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کی تکلیف کو دور کردیا۔''

ابھی آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ آپ کو دعا کے قبول ہونے کی خوش خبری سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا:

''آپ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔''

جونہی آپ نے پاؤں زمین پر مارا، زمین سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ یہ آپ کا کھلا معجزہ تھا...... اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چشمے میں نہانے کا حکم دیا...... آپ اس پانی سے نہائے تو تمام بیماری زائل ہوگئی اور آپ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئے۔

اس وقت بی بی رحمت مزدوری کے لیے کہیں گئی ہوئی تھیں۔ واپس لوٹیں تو دیکھا ان کے شوہر موجود نہیں ہیں۔ دراصل آپ اس بیماری کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے اور اب وہاں ایک خوبصورت نوجوان بیٹھے تھے...... وہ کیسے پہچان پاتیں۔ انہیں خیال آیا...... کہیں میرے شوہر کو کوئی موذی جانور تو نہیں کھا گیا۔ ادھر حضرت ایوب علیہ السلام نے بی بی رحمت کو حیران پریشان دیکھا تو بول اٹھے:

''کیا بات ہے...... کیوں حیران و پریشان ہو؟''

اجنبی نوجوان کو دیکھ کر بی بی رحمت شرما گئیں اور گھبرائیں...... پھر بولیں ''یہاں میرے شوہر تھے...... وہ کہاں ہیں؟''

حضرت ایوب علیہ السلام نے دل لگی کے طور پر ان سے پوچھا: ''کیا تم اپنے خاوند کو پہچانتی ہو؟''

اس پر وہ بولیں:

''میں آخران کی بیوی ہوں...... میں نہیں پہچانوں گی تو کون پہچانے گا؟''

یہ کہہ کر انہوں نے غور سے ان کی طرف دیکھا، پھر بولیں:

''میرے شوہر جب تندرست تھے تو آپ جیسے ہی تھے۔''

اب آپ نے ان سے فرمایا:

''اللہ کی بندی! تو میری طرف سے بہت فکر مند رہتی تھی اور اسی سلسلے میں شیطان نے تجھے ورغلایا تھا...... مجھے خیال آیا کہیں شیطان کے بہکاوے میں آکر تو شرک میں نہ مبتلا ہو جائے...... سو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اس نے میری دعا قبول فرمائی اور میرے پاؤں کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے پانی کا چشمہ جاری کر دیا...... اس کا پانی پینے اور اس میں غسل کرنے سے میری تمام بیماری دور ہوگئی۔ اللہ کے کرم سے میں پہلے جیسا تندرست ہو گیا...... یہی وجہ ہے کہ تم مجھے پہچان نہیں سکیں۔'' (تفسیر مظہری)

بی بی رحمت یہ سن کر بہت خوش ہوئیں...... انہوں نے بھی اللہ کا شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی پہلے کی طرح جوان بنا دیا اور ان سے دوبارہ چھبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم نے ایوب کو اس کے بال بچے دے دیے...... اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کر دیے، یہ سب کچھ ہم نے اپنی مہربانی سے عطا کیا...... اور یہ اس لیے کہ عبادت کرنے والوں کے لیے ایک یادگار رہو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کی۔ (بخاری) پہلے کی طرح آپ کے پاس جانوروں کے ریوڑ ہو گئے، زمینیں بھی واپس مل گئیں...... اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ مردہ اولاد ہی کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا تھا اور مزید بھی عطا فرمائی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم تھا جو ان کے صبر پر انہیں عطا ہوا۔

چونکہ آپ علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا۔ تندرست ہونے پر آپ نے قسم کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا...... اس قدر نیک بیوی اس سزا کی مستحق نہیں تھی جو حضرت ایوب علیہ السلام نے تجویز کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمایا...... اور ارشاد فرمایا:

''اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑو لے کر ماردیں اور قسم کے خلاف نہ کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اسے بڑا صابر بندہ پایا...... وہ سب سے نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا تھا۔''

آپ نے سو تیلیوں کی ایک جھاڑو لی، بیوی صاحبہ کو آہستہ سے کمر پر ماردی۔ اس طرح آپ کی قسم پوری ہوگئی۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حکم سے روم چلے گئے، وہاں اسلام کی دعوت دیتے رہے اور وہیں وفات پائی۔ آپ نے 140 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ نے اپنی چار پشتیں دیکھیں۔ آپ کو علاقہ حوران میں دفنایا گیا۔

صبر کرنے والوں کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

''جو لوگ مصائب اور آلام پر ثابت قدم رہنے والے ہیں، بس انہیں ان کے صبر کا بدلہ بے شمار ہی دیا جائے گا...... یعنی بھرپور۔'' (پارہ 23 رکوع 16)

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ (تصاویر کے لیے: نقوش تاریخ اسلامی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ مصر میں اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد آباد تھی۔ اسے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں پھلے پھولے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر کا بادشاہ ایان بن ولید تھا۔ وہ آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد مصر کے حکمران حضرت یوسف علیہ السلام بن گئے۔ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد قابوس مصر کا بادشاہ بنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں شرک کی لعنت ختم ہوگئی تھی۔ قابوس نے اسے پھر سے شروع کر دیا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی قوم نے اس کے شرک کو قبول نہ کیا۔ اس پر اس نے غیر ملکی خیال کر کے انہیں غلام بنالیا...... اور ان سے سخت کام لینے لگا۔ اس کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی ولید بن مصعب مصر کا بادشاہ بنا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا ہے۔ یہ فرعون پہلے سے بھی زیادہ ظالم تھا، اس نے کہا:

''میں تمہارا رب ہوں۔''

اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا، اس نے حکم دیا: ''سب لوگ مجھے سجدہ کریں۔''

چنانچہ سب سے پہلے اس کے وزیر ہامان نے اسے سجدہ کیا، پھر دوسرے وزیروں اور

امیروں نے سجدہ کیا، جو لوگ دور دراز کے علاقوں میں رہتے تھے، ان کے لیے اپنے مجسمے بنوائے، انہیں حکم دیا کہ تم ان مجسموں کے آگے سجدہ کیا کرو۔"

بنی اسرائیل کے لوگوں نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے حکم دیا:

"تم نہ مجھے سجدہ کرتے ہو، نہ میری تصویروں کو، میں تمہیں عذاب دوں گا۔"

اس پر بنی اسرائیل کے لوگوں نے کہا:

"فرعون کا عذاب ہلکا ہے، خدا کا عذاب ابدی ہے...... بہتر یہ ہے کہ فرعون کے عذاب پر صبر کرو...... اور اسے سجدہ نہ کرو۔"

یہ بات تمام بنی اسرائیل نے مان لی...... اور فرعون کو بھی یہ بتا دیا کہ ہم ہرگز تجھے یا تیری مورتی کو سجدہ نہیں کریں گے۔"

فرعون نے ان پر ظلم کی انتہا کر دی۔ ایسے میں اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے خواب کی تعبیر پوچھی تو اسے بتایا گیا:

"بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا...... وہ تیری حکومت کو ختم کر دے گا۔"

فرعون نے یہ تعبیر سن کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: "بنی اسرائیل کے جس گھر میں لڑکا پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے...... البتہ لڑکیوں کو قتل نہ کیا جائے۔"

اس طرح پیدا ہونے والے ہزاروں لڑکے قتل کر دیے گئے۔ انہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے...... فرعون کچھ بھی نہ کر سکا۔ ادھر نجومیوں نے اسے اطلاع دے دی کہ وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے۔

اب ماں کو فکر ہوئی کہ آخر یہ بچہ ہے...... آواز تو نکالے گا...... اور فرعون کے پیادے گھر گھر تلاشی لیتے پھر رہے ہیں، اس کی آواز سن لیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس بچے کو دریا میں ڈال دیں۔ قرآن کریم میں یہ بات ان الفاظ میں آئی ہے:

"اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تو موسیٰ کو دودھ پلا۔ جب اس کے بارے

میں کوئی خطرہ محسوس کرے تو اسے دریا میں ڈال دینا اور پریشان نہ ہونا، نہ اندیشہ کرنا، ہم اسے تیری طرف واپس لوٹا دیں گے اور اسے پیغمبروں میں سے کر دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے دریا میں ڈالنے کا طریقہ بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہوا:

''اسے صندوق میں ڈال دینا پھر صندوق کو دریا میں چھوڑ دینا۔ یہ دریا لا ڈالے گا انہیں کنارے پر تاکہ موسیٰ کو وہ شخص اٹھالے جو میرا بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی۔''

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک صندوق تیار کرایا۔ اس میں بچے کو لٹایا اور اللہ کا نام لے کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ماں کو پریشانی ہوئی کہ نہ جانے یہ صندوق کہاں جا کر رکے، اس لیے اس نے اپنی بڑی بیٹی کو صندوق کے پیچھے جانے کے لیے کہا، وہ دریا کے کنارے کنارے چلتی رہی۔

دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محل کی طرف جاتی تھی۔ وہ صندوق اس نہر میں ہوتا ہوا محل تک پہنچ گیا۔ صندوق ایسی جگہ رکا جہاں فرعون کی بیوی حضرت آسیہ موجود تھیں، انہوں نے صندوق کو پکڑ والیا، کھول کر دیکھا تو اندر چاند سا بچہ لیٹا تھا، ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی، وہ بچے کو دیکھ کر بے خود ہو گئیں، فرعون سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

''یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کر۔ عجب نہیں کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے اور ہم اسے بیٹا بنالیں اور ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ حقیقتِ حال سے بے خبر تھے۔''

فرعون شروع میں اس بچے کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن پھر اسے بیوی کی بات ماننا پڑی۔ اب سوال تھا کہ بچے کی پرورش کیسے کی جائے۔ انہیں دودھ پلانے والی عورت کی تلاش ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بات ڈال دی کہ کسی غیر عورت کا دودھ نہ پییں، اللہ تعالیٰ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''اور ہم نے پہلے ہی سے سب دودھ پلانے والیوں کے دودھ کی موسیٰ پر بندش کر دی تھی۔''

بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو لایا گیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے

دودھ کو منہ نہ لگایا۔۔۔۔۔۔اس پر حضرت آسیہ اور فرعون فکر مند ہوئے کہ بچہ کب تک بھوکا رہے گا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن صندوق کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئی۔ اس نے صورتحال دیکھ کر کہا:

''میں ایک عورت کا پتا بتا سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔شاید یہ بچہ اس عورت کا دودھ پی لے۔''

اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم نے پہلے ہی دائیوں کا دودھ موسیٰ پر بند کر دیا تھا۔ اس پر اس کی بہن بولی، میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کر دے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا گیا:

''ٹھیک ہے، تم اس عورت کو بلا کر لے آؤ۔''

آپ کی ہمشیرہ گئیں اور والدہ کو لے آئیں۔ والدہ نے جونہی آپ کو گود میں لیا، آپ دودھ پینے لگے۔ فرعون نے آپ کی والدہ کے لیے ایک اشرفی روزانہ مقرر کر دی۔۔۔۔۔۔اور کہنے لگا: ''بچے کو یہی دائی دودھ پلائے گی۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔۔۔۔۔۔یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

''تو اسے دریا میں ڈال دے، ہم پھر تمہیں واپس کر دیں گے۔''

بی بی آسیہ نے آپ کی والدہ سے یہ بھی کہا: ''تم ہر ہفتے اسے لا کر مجھے دکھا دیا کرو۔''

ماں ہر ہفتے بچے کو فرعون کے دربار میں لاتیں پھر واپس گھر لے جاتیں۔ دو برس تک والدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ دودھ کے چھڑانے پر بی بی آسیہ نے آپ کی والدہ محترمہ کو بہت سے تحائف دیے۔ آپ کچھ اور بڑے ہوئے تو ایک دن بی بی آسیہ نے آپ کو فرعون کی گود میں بٹھا دیا۔ آپ نے اس کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ چند بال بھی آپ کے ہاتھ میں آ گئے۔۔۔۔۔۔فرعون غصے سے آگ بگولہ ہو گیا، اس نے جلاد کو بلا کر حکم دیا:

''اس بچے کو لے جا کر قتل کر دو۔''

بی بی آسیہ یہ سن کر پریشان ہوئیں، انہوں نے فرعون سے کہا:

''یہ بچہ ہے...... اسے کیا پتا، میں ابھی اس کا تجربہ کرا دیتی ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ایک تھال میں موتی منگوائے اور دوسرے میں آگ کے انگارے۔''

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان دونوں تھالوں کے پاس بٹھا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اس بچے میں عقل ہوئی تو ظاہر ہے موتی اٹھائے گا، ورنہ انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موتی اٹھانے چاہے تو فوراً حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کا ہاتھ آگ کے انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، اس سے آپ کی زبان میں گرہ پڑ گئی، فرعون نے یہ دیکھا تو قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس طرح بی بی آسیہ نے آپ کو ظالم سے بچانے اور آپ کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ بی بی آسیہ ایمان دار، نیک اور ولیہ عورت تھیں جبکہ ان کا خاوند اللہ کا باغی تھا۔

اور آخر فرعون کے محل میں رہتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے۔ آپ بہت خوبصورت تھے، لوگ آپ کو دیکھ کر عش عش کر اٹھتے تھے۔

ان دنوں بنی اسرائیل پر فرعون کی طرف سے ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ آپ کے جوان ہونے پر اس قوم پر مظالم میں کمی آ گئی...... اور فرعون لوگوں پر ظلم کرنے میں احتیاط کرنے لگا کیونکہ وہ سوچتا تھا...... کہیں ہمارے مظالم سے موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو کر ان کی حمایت نہ کرنے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی پر ظلم ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اس دور کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور شباب کے کمال کو پہنچ گئے تو ہم نے انھیں صحیح فہم اور علم عطا کیا اور ہم نیک چلن اختیار کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔''

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ آپ کی عادت تھی...... کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو ظالم کا ہاتھ روک لیتے تھے۔ گشت کے دوران آپ نے

دیکھا کہ ایک فرعونی (قبطی) کسی اسرائیلی سے لڑ رہا ہے...... وہ اسے بری طرح مار رہا تھا اور گھسیٹ رہا تھا۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو رک گئے، ادھر اسرائیلی پر آپ کی نظر پڑی تو پکارا اٹھا:

''اے موسیٰ! میری مدد کیجئے۔''

ایک تو وہ بے چارا مظلوم تھا، دوسرا تھا بھی اسرائیلی، آپ یہ برداشت نہ کر سکے۔ آگے بڑھ کر قبطی کو روکا، اسے سمجھانے کی کوشش کی، قبطی ظلم سے باز نہ آیا۔ جب آپ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے اور اس نے آپ کے سمجھانے کا کوئی اثر نہ لیا تو آپ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے غصے کی حالت میں ایک مکّا اسے دے مارا۔ وہ اس مکّے کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ آپ کی نیت اسے جان سے مار ڈالنے کی نہیں تھی...... اتفاقیہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ اس پر آپ کو بہت افسوس ہوا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اس فعل کی معافی مانگی۔

قبطی کے قتل کی خبر پورے مصر میں پھیل گئی۔ کسی کو یہ پتا نہیں تھا کہ اسے مارا کس نے ہے۔ آخر قبطی کے عزیز رشتے دار فریاد لے کر فرعون کے پاس گئے، اس نے کہا:

''جب تک قاتل کا پتا نہ چل جائے، میں کچھ نہیں کر سکتا، لہٰذا تم لوگ پتا چلا کر مجھے بتاؤ...... تاکہ میں مجرم کو سزا دے سکوں۔''

دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر گشت پر تھے کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے قبطی سے جھگڑتا نظر آیا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کل کی طرح پھر مدد کے لیے پکار اٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے: ''بے شک تو ہی غلط راستے پر ہے۔''

اسرائیلی نے جب یہ دیکھا کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی مدد کے لیے تیار نہیں تو بول اٹھا:

''اے موسیٰ! جس طرح کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔''

اسرائیلی کے اس جملے سے قتل کا راز کھل گیا کہ کل وہ قبطی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ فرعون کو یہ خبر ملی تو اس نے فوراً آپ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا...... کل تک اس نے آپ کو اولاد بنا کر پالا تھا اور آج گرفتاری کا حکم دے رہا تھا۔

فرعون کے دربار میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ فوراً آپ کے پاس پہنچا اور بولا:

''اے موسیٰ! بلاشبہ اہلِ دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ سو آپ یہاں سے نکل جائیں۔ میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔''

اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت نہیں ملی تھی۔ اس لیے آپ اس آدمی کے مشورے سے مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کو مدین کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ بس اللہ کے بھروسے پر نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کے پاس کھانے پینے کا بھی کچھ سامان نہیں تھا...... راستہ میں درختوں کے پتے وغیرہ کھا کر کام چلایا۔ پاؤں میں جوتے بھی نہیں تھے، ننگے پاؤں چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔

اب تک آپ شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ پریشانی کے اس عالم میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''امید ہے، میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، آپ سیدھے مدین پہنچ گئے۔ شہر میں داخل ہوئے تو ایک کنویں پر نظر پڑی۔ اس کنویں کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے...... جو زیادہ طاقت ور تھا، وہ کمزوروں کو پیچھے دھکیل کر پانی پلا رہا تھا...... وہ فارغ ہوتا تو نسبتاً طاقت ور آدمی پانی پلانے لگتا...... مطلب یہ کہ وہاں طاقت کے بل پر پانی پیا اور پلایا جا رہا تھا۔ کمزور پیچھے رہ جاتا تھا، اس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ ان لوگوں میں انصاف نہیں ہے۔ نہ ان میں ہمدردی اور ایثار کا جذبہ ہے۔

ایسے میں آپ کی نظر دو لڑکیوں پر پڑی۔ وہ اپنی بکریاں لیے ایک طرف کھڑی تھیں۔ گویا وہ بھی اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے آئی تھیں اور طاقت ور لوگوں کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے لڑکیوں کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ آپ کا دل بھر آیا، آپ ان کی طرف بڑھے اور ان سے پوچھا:

''تم یہاں کیسے کھڑی ہو؟''

ان میں سے ایک نے کہا:

''جب تک یہ لوگ فارغ نہیں ہو جاتے، ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاسکتیں......اور ہمارے والد بوڑھے ہیں۔''

مطلب یہ تھا کہ والد یہ کام کرنہیں سکتے، اس لیے ہمیں آنا پڑتا ہے اور یہاں طاقت کا راج ہے۔ یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جوش میں آ گئے۔ آپ نے سوچا، میری موجودگی میں یہ کمزور لڑکیاں ہمدردی سے کیوں محروم رہیں۔

یہ سوچتے ہی آپ جوش میں آگے بڑھے اور مجمع کو چیرتے چلے گئے۔ آپ ان سب کے لیے اجنبی تھے۔ انہیں بہت تعجب ہوا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے بھی بہت طاقت ور جسم کے مالک......اور بارعب بھی، وہ لوگ سہم گئے، آپ آگے بڑھے اور کنویں سے ڈول اوپر کھینچ لیا۔ وہ ڈول کئی آدمی مل کر کھینچتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تنہا ہی بہت آسانی سے کھینچ لیا، یہ دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے:

''یہ آدمی ہے یا جن۔''

اب آپ نے ان لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا۔ پھر خود ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور یوں دعا کرنے لگے:

''اے میرے پروردگار! جو بھی قسمت ہو تو وہ بھیج دے۔ میں اس کا حاجت مند ہوں۔''

ان لڑکیوں کی بکریاں پانی پی چکیں تو وہ خوش خوش گھر کی طرف چل پڑیں۔ چونکہ آج بہت جلد آ گئیں تھیں، اس پر ان کے والد بہت حیران ہوئے۔ ان بچیوں کے والد اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور اس وقت تک بوڑھے ہو چکے تھے......انہوں نے اپنی بیٹیوں سے پوچھا: ''آج تم اس قدر جلد کیسے لوٹ آئیں؟''

وہ بولیں:

''اللہ بھلا کرے اس مصری نوجوان کا......اس کی وجہ سے ہم جلد آ گئیں۔''

پھر انہوں نے تفصیل سنا دی اور بولیں:

''ابا جان! کیا ہی اچھا ہو، آپ اس مصری نوجوان کو مویشی چرانے کے لیے رکھ لیں۔ ایک تو وہ بہت طاقت ور آدمی ہے دوسرے امانت دار بھی ہے۔ کیونکہ ہم ان دونوں باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔''

اس پر حضرت شعیب علیہ السلام بولے: ''تم نے یہ باتیں اتنی جلدی کیسے جان لیں۔''

انہوں نے جواب میں کہا:

''اس کی طاقت کا اندازہ تو ہم نے اس بات سے لگایا ہے کہ جس ڈول کو کئی آدمی مل کر کھینچتے ہیں، اس نوجوان نے تنہا ہی کھینچ لیا...... اور اس کے امانت دار ہونے کا اندازہ ہم نے اس سے لگایا کہ جب اس نے ہم سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ آگے بڑھ کر اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں تو اس وقت اس کی نظریں بالکل نیچی رہیں۔ باقی آپ اسے دیکھ کر خود اندازہ لگا لیں گے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے ساری بات سن کر کہا:

''ٹھیک ہے، تم جا کر اسے بلا لاؤ۔''

اب ان میں سے ایک پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے آئی...... اور اس کی حالت یہ تھی کہ شرم وحیا اس کے چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی...... آپ کے نزدیک آ کر بولی:

''میرے والد آپ کو بلاتے ہیں، آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا تھا...... وہ آپ کو اس کا صلہ دینا چاہتے ہیں۔''

آپ نے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کی تھی۔ چنانچہ فوراً اس لڑکی کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے...... آپ نے اس سے فرمایا: ''ٹھیک ہے...... میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں...... لیکن میں آگے چلوں گا، تم میرے پیچھے رہنا۔''

یہ ترکیب آپ نے اس لیے اختیار کی تا کہ اس اجنبی لڑکی پر نگاہ نہ پڑے...... ظاہر ہے، لڑکی آگے چلتی تو وہ آپ کو نظر آتی رہتی۔ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امانت دار ہونے کا ثبوت تھا۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے، انہیں اپنی کہانی سنائی، حضرت شعیب علیہ السلام نے ساری تفصیل سن کر کہا:

''ٹھیک ہے، آپ فکر نہ کریں...... ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مدین ہے جو مصر کی حدود سے باہر ہے۔ یہاں فرعون کی حکومت نہیں پھر مدین اور مصر کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں...... چنانچہ انہوں نے کہا:

''میں چاہتا ہوں، اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک سے آپ کا نکاح کردوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آٹھ سال تک میری ملازمت کریں...... اور اگر دس سال پورے کرلیں تو یہ آپ کی طرف احسان ہوگا۔''

ساتھ میں حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

''میں آپ پر کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ آپ مجھے ان شاء اللہ صالح کار، اچھا اور بھلا آدمی پائیں گے۔''

یہ کہنے سے حضرت شعیب علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ سے کوئی سخت خدمت نہیں لوں گا۔ یہاں رہ کر آپ کو تجربہ ہوجائے گا...... میں بری طبیعت کا مالک نہیں ہوں...... اللہ کے فضل سے میں نیک بخت ہوں۔

آخر حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان معاملہ طے ہوگیا۔ اس کے مطابق آپ اپنا کام کرنے لگے۔

بکریاں چرانا دراصل انبیاءؑ کی سنت ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ کام لیا گیا۔ آپ نے دس سال تک یہ خدمت انجام دی۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی۔ یہ سب کام آپ کو نبوت ملنے سے پہلے کے ہیں۔

اب چونکہ آپ کو اپنی والدہ سے ملے بہت عرصہ ہوگیا تھا، اس لیے آپ نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لی...... آپ نے انہیں اپنی بیٹی کو ساتھ لے جانے کی

اجازت دے دی...... انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ اور کچھ سامان بھی ساتھ دیا...... اس طرح آپ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

سردی کے دن تھے...... راستہ نیا تھا، بیوی ساتھ تھیں، بکریوں کا ریوڑ بھی ساتھ تھا...... ایسے میں آپ کی زوجہ حضرت مریم کی طبیعت خراب ہوگئی...... شدید سردی کی وجہ سے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، ایسے میں انہیں ایک طرف آگ نظر آئی، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا:

''تم یہاں ٹھہرو، میں نے اس طرف آگ دیکھی ہے، میں تمہارے لیے کچھ آگ لاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔''

اس سے پہلے آپ چقماق سے رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کرتے رہے تھے...... آگ نہ جل سکی...... اس لیے انہیں اس طرف جانا پڑا جس طرف آگ نظر آئی تھی۔ آگ دیکھ کر آپ کو خوشی کا احساس ہوا تھا...... کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ آپ راستہ بھول گئے ہیں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے قدرت کا ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ کوہِ طور پر ایک درخت میں بہت زور کی آگ لگی ہوئی تھی...... آگ جس قدر بھڑکتی تھی...... درخت اتنا ہی سرسبز نظر آتا تھا...... مطلب یہ کہ اس آگ سے درخت جل نہیں رہا تھا...... سرسبز ہو رہا تھا...... اس سے زیادہ عجیب نظارہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

اب موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے...... وہ سوچ رہے تھے...... کوئی جلتی ہوئی شاخ نیچے گر جائے تو وہ اسے اٹھا کر لے جائیں...... وہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے، درخت آگے سرکتا گیا...... حیرت کے اس عالم میں ایک آواز آئی:

''اے موسیٰ! یقیناً میں تیرا رب ہوں...... سو تو اپنی دونوں جوتیاں اتار دے، کیونکہ تو طویٰ نامی مقدس میدان میں ہے۔''

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''میں حاضر ہوں، میں تیری آواز سنتا ہوں، آہٹ بھی پاتا ہوں مگر یہ دکھائی نہیں دیتا

کہ تو کہاں ہے۔"

آواز آئی: "میں تیرے اوپر ہوں، میں تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، اور تیری جان سے زیادہ تیرے نزدیک ہوں۔"

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سن رہے تھے...... مطلب یہ کہ یہ سننا صرف کانوں سے نہیں بلکہ بدن کے تمام اعضاء سے ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو آپ آگ سمجھ رہے تھے وہ آگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔

یہاں سوال یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے یقین ہوا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو اس پر مطمئن کر دیا تھا...... یعنی وہ یقین کر لیں کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ بدن کے تمام اعضاء کانوں کے ساتھ سننے میں برابر کے شریک تھے۔ اس سے بھی سمجھا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔

جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے ہوا کہ تعظیم کرانا مقصد تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں جاتے وقت جوتیاں اتاری جاتی ہیں۔

اس وادی کا نام طویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص شرف بخشا ہے۔ جیسے بیت اللہ، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ، وادی طویٰ بھی انہی مقدس مقامات میں سے ہے جو کوہِ طور کے دامن میں ہے۔ (قرطبی)

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اب آپ میری وحی کو کان لگا کر سنیں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی نہیں، آپ صرف میری عبادت کے لیے ہیں۔ کسی اور کی کسی قسم کی عبادت نہ کرنا، میری یاد کے لیے نماز قائم کرنا، یہ میری یاد کا بہترین طریقہ ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو معجزے عطا فرمائے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟"

آپ نے جواب دیا:

"میری لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لیتا ہوں......اور بکریوں کے لیے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور دوسری حاجتیں پوری کرتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو نیچے ڈال دیا...... وہ اسی وقت بڑا اژدھا بن گئی اور پھنکارتے ہوئے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اژدھے کو دیکھ کر گھبرا گئے تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے موسیٰ! اسے پکڑلو...... ڈرو نہیں، ہم اسے ابھی پہلی حالت پر لوٹا دیتے ہیں۔"

موسیٰ علیہ السلام کو یہ سنتے ہی اطمینان ہو گیا اور آپ نے بغیر کسی جھجک کے اس اژدھے کو پکڑ لیا، جونہی آپ نے اس پر ہاتھ ڈالا، وہ پھر سے لاٹھی بن گئی۔

اب آپ کو دوسرا معجزہ دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے موسیٰ! اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکال لو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یہ دونوں چیزیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس لے جانے کے لیے تیرے رب کی طرف سے دو سندیں ہیں، بے شک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"

یہ دونوں معجزے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائے کہ آپ ان زبردست نشانیوں کو دیکھ کر یقین کر لیں۔ یہ معجزے دیکھ کر آپ کو یقین ہو گیا کہ کلام کرنے والے باری تعالیٰ ہی ہیں۔ ان معجزات کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات عطا فرمائے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی:

"باری تعالیٰ! میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرے کام کو آسان کر دے اور میری

زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کے ذریعے میری طاقت کو مضبوط کردے......اور اسے میرے کام میں شریک کردے۔"

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"باری تعالیٰ، مجھ سے تو ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا......وہ تو مجھے مار ڈالیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فکر نہ کرو، وہ تمھارے پاس بھی نہیں آسکیں گے، میری مدد ہر وقت تم دونوں کے ساتھ رہے گی۔"

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح تسلی دی......پھر آپ مطمئن ہو کر طور سے واپس روانہ ہوئے۔ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس پہنچے، انہیں ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے، منزلیں طے کرتے جب مصر میں داخل ہوئے تو رات کا وقت تھا۔ اس طرح رات کے وقت اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ وہیں حضرت ہارون علیہ السلام بھی آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتے کے ذریعے نبوت کی خبر دے دی تھی اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آچکے ہیں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی حضرت ہارون علیہ السلام بھائی سے لپٹ گئے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام دس سال بعد اپنے گھر والوں سے مل سکے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے احسانات ان الفاظ میں یاد دلائے:

"اے موسیٰ! تیری سب درخواستیں قبول کر لی گئیں اور بلاشبہ ہم تجھ پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کر چکے ہیں۔ وہ احسان اس وقت کیا تھا، جب ہم نے آپ کی ماں کو وہ بات الہام کی تھی کہ اسے صندوق میں رکھ دے، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر لے جائے......تاکہ وہ شخص اٹھا لے جو میرا بھی اور اس کا بھی دشمن ہے اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تھی تاکہ جو دیکھے تجھ سے محبت کرے اور تو میری نگاہ کے سامنے پرورش پائے۔ یہ وہ وقت تھا جب تیری بہن چلتی ہوئی فرعون کے گھر آئی اور کہنے لگی۔ تم کہو تو میں تمہیں ایسی عورت کے بارے میں بتاؤں جو اسے دودھ پلا سکے۔ پھر

ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ پھر ہم نے اس کی پریشانی سے تجھے نجات دی اور ہم نے تجھے کئی طرح سے امتحانوں میں مبتلا کیا، پھر تو مدین میں کئی سال رہا، آخر کار ایک وقت مقرر پر جو مقدر تھا، تجھے یہاں لے آیا اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے منتخب کیا ہے۔" (طٰہٰ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

"اب تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے حکم میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ بہت حد سے گزر چکا ہے۔ پھر اس سے نرم بات کرنا، شاید وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔"

اس پر دونوں نے عرض کیا:

"الٰہی! ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہم پر حملہ نہ کر دے، اور زیادہ سرکشی پر نہ اتر آئے۔"

اللہ تعالیٰ نے پھر تسلی دی کہ تم بے خوف ہو کر اس کے پاس جاؤ اور میرا پیغام اسے پہنچاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں...... میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

اب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے فرمایا:

"ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے قاصد اور پیغامبر ہیں۔"

فرعون نے پوچھا: "تمہارا رب کون ہے؟"

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت دی پھر راہ سجھائی۔"

فرعون نے پوچھا:

"تم دونوں کیا چاہتے ہو، اور اے موسیٰ، کیا تم بھول گئے کہ تم میرے ہی گھر میں پلے بڑھے ہو اور تم ایک قبطی کے قاتل بھی ہو۔"

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"ہاں مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا تھا، جب مجھے خطرہ محسوس ہوا تو میں یہاں سے دور چلا گیا

تھا۔ یہ میرے رب نے مجھے حکمت عطا فرمائی......ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں......اور رہا وہ احسان جو تو جتلا رہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تو نے سارے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے ہو......اس کے نتیجے میں ایسا ہوا تھا کہ تقدیر نے مجھے تمہارے گھر پہنچا دیا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا، وہ ہو گیا، اس میں تمہارا کوئی احسان نہیں۔"

اس کے بعد آپ نے فرعون سے یہ دو باتیں کیں:

"تم خود ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دو۔"

بنی اسرائیل دراصل ملک شام کے باشندے تھے اور وہاں جانا چاہتے تھے، لیکن فرعون انہیں وہاں جانے نہیں دیتا تھا، اس طرح چار سو سال سے وہ اس کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاموش ہونے پر فرعون نے کہا:

"یہ تم نے کیا کہا کہ تم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہو......یہ رب العالمین کیا ہے۔"

یہ اس نے اس لیے کہا کہ وہ سرے سے اللہ کا منکر تھا۔ وہ تو اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔

اس کی بات کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

"میرا رب سب کا مالک ہے، سب کا خالق ہے، سب پر قادر ہے، سب کا معبود ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، یہ آسمان اور زمین، چاند اور سورج اسی نے بنائے ہیں۔"

یہ سن کر فرعون اپنے درباریوں کی طرف رخ کر کے بولا:

"سنا تم نے یہ میرے سوا کسی اور کو خدا مانتا ہے۔"

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا پروردگار ہے......اور اے درباریو! اگر تم آج فرعون کو خدا مانتے ہو تو پھر فرعون سے پہلے جہاں والوں کا خدا کون تھا......اس کے وجود سے پہلے زمین اور آسمان موجود تھے تو ان کا خدا کون تھا، بس وہی میرا رب ہے اور وہی تمام

جہانوں کا رب ہے۔''

فرعون سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگا: ''یہ شخص یقیناً دیوانہ ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''سنو! میرا رب مشرق اور مغرب کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم اس بات کو سمجھو، وہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے، اگر تو اپنے خدائی کے دعوے میں سچا ہے تو ذرا ایک دن اس کے خلاف کر کے دکھا دے۔ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا دے اور مشرق میں غروب کر کے دکھا دے۔''

یہ سن کر فرعون کے ہوش اُڑ گئے، اس نے سوچا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ روشن دلیلیں سب لوگوں پر اثر کر جائیں گی، یہ سوچ کر وہ بولا:

''اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈال دوں گا۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''اور اگر میں تیرے سامنے کوئی معجزہ لے آؤں۔''

فرعون نے فوراً کہا:

''ٹھیک ہے، اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو اپنے معجزات پیش کر۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، آن کی آن میں وہ لاٹھی ایک بہت بڑا اژدھا بن گئی۔ اژدھا فرعون کی طرف بڑھا تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے کی طرف دوڑ پڑا، ساتھ ہی اس نے کہا: ''اے موسیٰ! اسے پکڑ لو...... میں تم پر ایمان لاتا ہوں، میں بنی اسرائیل کو بھی رہا کر دوں گا۔''

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدھے کو پکڑ لیا، جونہی آپ نے اسے پکڑا وہ پھر سے لاٹھی بن گیا، اب آپ نے اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالا تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اب فرعون کو اور تو کچھ نہ سوجھا...... پکار اٹھا:

''یہ شخص تو کوئی بڑا جادوگر ہے، اور اس ارادے سے آیا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین

سے بے دخل کر دے۔“

اس نے اہلِ دربار سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے، درباریوں نے کہا:

”آپ موسیٰ اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیں......اور ملک کے نامور جادوگروں کو بلا لیں اور پھر ایک بڑے میدان میں ان کا آپس میں مقابلہ کرائیں۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارے ملک کے جادوگروں کے آگے ان کی ایک نہیں چلے گی اور اس طرح ان کا یہ کھیل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔“

فرعون نے درباریوں کا مشورہ سن کر کہا:

”اے موسیٰ! تم جادو کے زور پر ہمارا ملک ہم سے چھیننا چاہتے ہو......ہم اپنے جادوگروں سے تمھارا مقابلہ کرائیں گے......دن اور جگہ مقرر کرلو، سب ہی اس دن وہاں آ جائیں گے......تم بھی آ جانا، وہاں فیصلہ ہو جائے گا۔“

اس کی بات کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”ہمیں منظور ہے اور میرے خیال میں اس کام کے لیے تمہاری عید کا دن مناسب رہے گا۔“

ان کا عید کا دن عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا، آپ نے عید کا دن اس لیے مقرر فرمایا کہ سب لوگ دیکھ لیں کہ حق کیا ہے، وقت بھی دن چڑھے کا طے کیا، اور یہ مقابلہ شہر کے بڑے میدان میں ہونا قرار پایا۔

اب فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کرنا شروع کیا۔ اس زمانے میں جادوگروں کا بہت زور تھا، آخر مقررہ وقت تک بہت سے جادوگر جمع کر لیے گئے۔ اس میدان میں ایک طرف اونچی جگہ بنائی گئی۔ اس پر فرعون کا تخت رکھا گیا، ساری رعایا بھی آج جمع ہوئی، جادوگر صف باندھ کر فرعون کے سامنے جمع ہو گئے۔ فرعون نے ان کی کمر ٹھونکی اور کہا: ”آج تم اپنا وہ ہنر دکھاؤ کہ یادگار بن جائے۔“

اس پر جادوگر بولے:

”ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا یا نہیں۔“

فرعون نے فوراً کہا:

"ہاں بالکل! نہ صرف یہ کہ تمہیں بڑا انعام دوں گا بلکہ تم دربار میں خاص مقام کے حق دار ہو گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جادوگروں کو ایمان کی دعوت دی۔ ان سے فرمایا" دیکھو! اللہ پر جھوٹ نہ باندھنا ورنہ اپنی آخرت برباد کرلو گے، لوگوں کی آنکھوں میں دھول نہ جھونکنا کہ درحقیقت کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے بہت کچھ دکھا دو، اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔"

جادوگروں نے آپ کی تبلیغ کی طرف کوئی توجہ نہ دی...... اور آپ سے کہنے لگے:

"تم اپنا وار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "تم پہل کرو۔"

انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین پر ڈال دیں...... اور بولے:

"فرعون کے اقبال کی قسم! بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے۔"

جونہی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر گرائی گئیں...... سب لوگوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حرکت کر رہی ہوں...... یعنی وہ انہیں دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہوئے...... پورا میدان ان سانپوں سے بھر گیا...... خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ان جادوگروں کے جادو کے قائل ہو جائیں اور ان کے جال میں پھنس جائیں۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی:

"ڈرو نہیں، بے شک تم ہی غالب رہو گے اور جو چیز تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، اسے میدان میں ڈال دو، وہ ان سب کو نگل جائے گی جو انہوں نے بنایا ہے۔"

آپ نے اپنی لاٹھی پھینک دی، گرتے ہی وہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گئی، اس کا سر بھی

تھا اور پیر بھی، دانت بھی تھے، اس نے دیکھتے ہی دیکھتے میدان صاف کر دیا یعنی وہ ان تمام سانپوں کو نگل گیا جو جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کے گرانے پر نظر آنے لگے تھے، یا یوں کہہ لیں کہ وہ اژدھا جادوگروں کے تمام کرتبوں کو ہڑپ کر گیا۔

اب سب نے دیکھ لیا کہ حق پر کون ہے۔ ادھر جب جادوگروں نے اپنا جادو فیل ہوتے دیکھ لیا تو جان گئے کہ یہ کام انسانی طاقت سے باہر ہے۔ وہ جادو میں ماہر تھے...... فوراً سمجھ گئے کہ یہ کام اللہ کا ہے۔ وہ اس میدان میں سب کے سامنے، بادشاہ کی موجودگی میں اللہ کے حضور سجدے میں گر گئے...... اور پکار اٹھے:

''ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔''

فرعون یہ سن کر طیش میں آ گیا، اس نے چلّا کر کہا:

''تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے، معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاد ہے، تم اس کے شاگرد ہو اور تم نے یہ ساز باز کی ہوئی تھی، لیکن تمہیں ابھی اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ میں الٹی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور بہت بری طرح تمہاری جان لوں گا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔''

جادوگروں پر فرعون کی دھمکی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا، انہوں نے کہا:

''جو تجھ سے ہو سکتا ہے، کر ڈال۔ تو صرف اس دنیا کی زندگی میں حکم چلا سکتا ہے۔''

جادوگروں نے اس سے یہ بھی کہا: ''ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے...... اور اللہ کی قدرت کو جو تو نے جادو سے مٹانے کی گستاخی ہم سے کرائی ہے، یہ بھی معاف فرما دے...... اب تو ہمارے ساتھ کچھ بھی کر لے...... عبادت کا حق دار وہ ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے...... نہ کہ تو، تو تو خود اس کا پیدا کردہ ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں کا ڈر ہے، نہ تیرے انعام کا لالچ ہے۔''

اس سے فرعون آگ بگولا ہو گیا...... اس نے ان سب کو شہید کرا دیا، پہلے ان کے الٹے سیدھے ہاتھ پیر کاٹے، پھر پھانسی پر چڑھا دیا۔ صبح کے وقت یہ جادوگر کافر تھے، شام کو

پاک باز اور مومن ہو گئے اور اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے۔

ان جادوگروں کی تعداد ہزاروں میں بتائی جاتی ہے۔ اب فرعون پہلے سے بھی زیادہ سرکشی پر اتر آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہرانے کے لیے اس نے جو کھیل کھیلا تھا، اس میں خود اس کی ہار ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا، اگر معاملات اسی طرح رہے تو صورت حال اور زیادہ خطرناک ہو جائے گی، چنانچہ اس نے یہ حکم جاری کر دیا:

''جو موسیٰ پر ایمان لائے ہیں، ان کے لڑکوں کو قتل کر دو، البتہ لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔''

جب اس طرح بھی کوئی فرق نہ پڑا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ٹھان لی...... اس کے دربار میں ایک مومن شخص بھی تھا، وہ ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، اب وہ بھی رہ نہ سکا، بول اٹھا:

''تم ایک ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس دلائل لے کر آیا ہے۔''

یہ کہتے ہی یہ شخص دربار سے نکل گئے اور پھر ان کے ہاتھ نہ آئے۔ اس مقابلے کے بعد ان گنت لوگ اللہ پر ایمان لے آئے۔ اب فرعون نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی...... اس نے اپنے گھر والوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ کنگھی کرنے والی ایک عورت فرعون کی لڑکی کے سر میں کنگھی کر رہی تھی، اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی، اس نے بسم اللہ کہہ کر کنگھی اٹھائی تو فرعون کی لڑکی نے کہا:

''تو میرے باپ کے سوا کسی اور رب کو مانتی ہے۔''

اس عورت نے کہا:

''میرا اور تیرا اور سب کا رب اللہ ہے۔''

اس پر پہلے تو اس نے خود اسے مارا پیٹا، پھر فرعون کو اس کے بارے میں بتایا، فرعون نے اسے بلا کر پوچھا:

''کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''ہاں، میرا رب اللہ ہے۔''

فرعون کے غصے کا کیا پوچھنا، اس نے اسے چت لٹا کر ہاتھوں پیروں میں میخیں گڑوا دیں، وہ پھر بھی اپنے دین پر قائم رہی تو فرعون نے کہا:

''میں تیرے ایک ایک لڑکے کو تیری آنکھوں کے سامنے قتل کر دوں گا۔''

اس نے کہا:

''جو تجھ سے ہوتا ہے وہ کرلے، اب میں تجھے سجدہ نہیں کروں گی۔''

اس ظالم نے اس کے ایک لڑکے کو اس کی آنکھوں کے سامنے لا کر قتل کر دیا۔ ماں نے صبر کیا، پھر دوسرے بیٹے کو قتل کیا گیا، فرعون کی بیوی یہ سب دیکھ رہی تھی...... اس عورت کی استقامت دیکھ کر وہ بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں...... اور اس مظلوم عورت کی روح پرواز کر گئی۔

جلد ہی فرعون کو پتا چل گیا کہ اس کی بیوی بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہیں۔ فرعون نے اس نیک بی بی پر طرح طرح کے ستم ڈھائے مگر وہ اللہ کی بندی اپنے ایمان پر ڈٹی رہیں...... اور آخر اپنے اللہ سے جا ملیں۔

جب فرعون کسی طرح بھی باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عذابوں کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلا عذاب یہ تھا کہ ان کے کھیتوں میں غلہ پیدا نہ ہوا، درختوں پر پھل نہ لگے، کھجور کے درخت پر بس ایک کھجور لگی...... یہ اس لیے تھا کہ وہ عبرت حاصل کریں، اس لیے کہ جب فصل خوب ہوتی تھی اور درخت پھلوں سے لد جاتے تھے تو وہ کہتے تھے:

''یہ تو ہمارا حق تھا۔''

جب غلہ نہ ہوتا، پھل نہ لگتے تو کہتے:

''یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔''

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے:

"تم کچھ کرلو...... ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے پے در پے پانچ قسم کے عذاب نازل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں ان عذابوں کا ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پھر ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی، چچڑی، مینڈک اور خون کا عذاب بھیجا، پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ تھے ہی گناہ گار، جب ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے، اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں، اگر دور کردیا تو نے ہم سے یہ عذاب تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے...... اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ جانے دیں گے۔ (اعراف، رکوع 5)

اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے عذابوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ہر ایک عذاب ایک مقررہ وقت تک رہا، پھر ٹل گیا...... اس طرح انہیں ہر عذاب کے بعد مہلت دی گئی۔ اس طرح ایک کے بعد ایک عذاب آتا چلا گیا۔ پہلی مرتبہ فرعون کی قوم پر قحط کا عذاب آیا...... ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

"اے موسیٰ! تو اپنے رب سے دعا کر کہ یہ عذاب ٹل جائے۔"

آپ نے دعا فرمائی تو عذاب ٹل گیا لیکن وہ ایمان نہ لائے، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایسے ہیں کہ قحط کے عذاب سے بھی باز نہیں آتے...... معاہدہ کر کے پھر گئے...... ان پر ایسا عذاب نازل کر جو ان کے لیے دردناک ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بن جائے۔"

اب اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان کا عذاب بھیجا۔ یہ پانی کا عذاب تھا۔ فرعون کی قوم کے گھروں اور زمینوں کو طوفان کے پانی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نہ کہیں بیٹھنے کی جگہ رہی اور نہ زمین میں کچھ کاشت کرنے کی۔ اس طوفان کی عجیب بات یہ تھی کہ فرعون کی قوم کے مکانات اور زمینوں کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کی زمین تھی، ان کے مکانات تھے، وہ خشک رہے...... کہیں پانی کا طوفان نظر نہ آیا۔

اس طوفان سے گھبرا کر فرعون کی قوم نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی:

"اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کریں کہ پانی کا یہ عذاب ٹل جائے، اگر یہ عذاب ہم سے دور ہوگیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے......اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب دور ہوگیا، ان کی کھیتیاں پہلے سے زیادہ ہری بھری ہوگئیں، جب ایسا ہوگیا تو وہ کہنے لگے:

"درحقیقت یہ عذاب نہیں تھا بلکہ ہمارے فائدے کے لیے تھا، اس کے نتیجے میں تو ہماری پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ اس لیے موسیٰ (علیہ السلام) کا تو اس میں کوئی دخل ہی نہیں۔"

اس طرح وہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ ایک ماہ امن وچین سے گزر گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت دی تھی مگر وہ لوگ ہوش میں نہ آئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈیوں کا عذاب نازل کیا۔ ٹڈی دل نے ان کی تمام فصلوں کو اجاڑ دیا۔ بلکہ لکڑی کے دروازوں، چھتوں اور گھریلو سامان کو بھی وہ ٹڈیاں کھا گئیں۔ اس عذاب کے وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے سامنے تھا یعنی سارا ٹڈی دل صرف قومِ فرعون کے کھیتوں، باغات اور گھروں پر آپڑا تھا، بنی اسرائیل کے کھیت اور باغات سب محفوظ تھے۔

اس وقت ایک بار پھر فرعون کی قوم چلا اٹھی۔

"اے موسیٰ! اللہ سے دعا کریں کہ یہ عذاب ہم پر سے ٹل جائے......ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی۔ یہ عذاب بھی ان پر سے ہٹ گیا۔ مگر عذاب ہٹتے ہی وہ پھر وعدے سے پھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر سے ایک ماہ کی مہلت دی۔ اس مرتبہ ان پر جوؤں کا عذاب آیا......یا پھر ایک قسم کے کیڑوں کا عذاب آیا۔ ان کیڑوں نے ان کے غلے کو گھن کی طرح کھالیا......اور جوؤں نے ان کے بال تک کھالیے۔ ایک بار پھر فرعون کی قوم بلبلا اٹھی اور دعا کی درخواست کی۔ پھر وہی وعدہ کیا، آپ نے پھر دعا کی، یہ عذاب بھی ان پر سے ٹل گیا عذاب کے ٹلتے ہی وہ پھر بدل گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ

مہلت دی...... یہ قوم باز نہ آئی۔ چوتھا عذاب ان پر مینڈکوں کا آیا۔ ان کے گھروں پر ہر چیز میں مینڈک نظر آنے لگے۔ سونے کے لیے لیٹتے تو بدن کے نیچے مینڈک آجاتے۔ پکے ہوئے کھانوں میں مینڈک نظر آتے...... غرض ہر چیز میں مینڈک پیدا ہو گئے۔ ایک بار پھر وہ بلبلا اٹھے...... اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے پھر عذاب ہٹا دیا مگر وہ قوم ہوش وحواس والی تو تھی ہی نہیں...... پھر وعدے سے پھر گئے، اس وقت ان پر خون کا عذاب آیا...... ہر چیز میں خون نظر آنے لگا۔ کنویں میں، حوض میں سب میں خون نظر آتا۔ کھانا پکاتے تو وہ خون میں تبدیل ہو جاتا...... تنگ آکر انہوں نے بنی اسرائیل سے پانی مانگا...... کیونکہ ان کا تو پانی بھی خون میں تبدیل ہو چکا تھا...... بنی اسرائیل کے لوگوں نے انہیں پانی دیا تو ان کے ہاتھوں میں جاتے ہی پانی بھی خون میں تبدیل ہو گیا۔ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر قبطی اور اسرائیلی کھانا کھاتے تو جو لقمہ قبطی کے منہ میں جاتا تو خون بن جاتا اور بنی اسرائیل کا لقمہ خون میں تبدیل نہ ہوتا۔ آخر یہ بدکار قوم چلا اٹھی...... فریاد کی...... پہلے سے زیادہ پختہ وعدے کیے تو ان پر پھر رحم آگیا۔ دعا کی تو عذاب ٹل گیا اور وہ پھر وعدے سے پھر گئے۔

چھٹی مرتبہ ان پر طاعون کا عذاب آیا...... اس عذاب میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے...... اس وقت انہوں نے پھر عذاب ہٹانے کے لیے دعا کرائی...... عذاب ہٹ گیا تو انہوں نے پھر عہد توڑ دیا۔

اس قدر واضح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود وہ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ اس وقت آخری عذاب کا وقت آگیا...... ان لوگوں نے سوچا، کہیں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں...... ادھر فرعون ان سے کہتا:

''دیکھو! میں اکیلا مصر کا مالک ہوں، میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری ہیں۔ ادھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو، وہ غریب اور کمزور ہیں۔ اب فیصلہ تم خود کر لو۔''

فرعون کا ظلم جب حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے ان کے

لیے یوں بددعا کی:

''اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ جب تک یہ لوگ عذاب کو دیکھ نہ لیں، اس وقت تک ایمان نہ لائیں۔''

آپ نے یہ بددعا اس وقت کی جب فرعون کے درباریوں نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنا شروع کردیا اور جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تم دونوں بھائیوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔ سو تم اپنے حال پر ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جو علم سے محروم ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ دونوں کو حکم دیا:

''آپ اپنی قوم کو لے کر مصر سے ہجرت کر جائیں...... یہ بات ذہن میں رکھیں کہ فرعون اپنی فوج اور قوم کو لے کر آپ کا تعاقب کرے گا مگر آپ گھبرائیں نہیں۔ وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ آپ کے سامنے بحرِ قلزم آئے تو اپنا عصا اس پر ماردیں، آپ کے لیے ہمارے حکم سے راستہ بن جائے گا۔''

اس حکم کے مطابق آپ اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ رات کی تاریکی میں سفر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے روشنی کا ایک ستون اتار دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے عصا سے روشنی نکلنے لگی تھی۔

اب آپ راستہ بھول گئے...... بھول کیا گئے اللہ تعالیٰ نے بھلا دیا...... اور بات دراصل یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا، ایک زمانہ آئے گا جب تمہیں مصر چھوڑنا پڑے گا۔ جب وہ وقت آئے تو میری لاش اپنے ساتھ لے کر جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وصیت کا علم نہیں تھا...... جب راستہ بھول گئے تو بڑے بوڑھوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت یاد آئی...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی قبر کا بھی پتا نہیں تھا۔ آخر پتا چلا کر لاش نکال کر بعد میں آپ کی لاش کو یعقوب علیہ السلام کے پہلو میں دفن

کیا گیا۔

ادھر فرعون کو پتا چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر رات کی تاریکی میں نکل گئے ہیں تو اسے بہت طیش آیا، اس نے پورے مصر میں اعلان کرا دیا کہ سب تیار ہو جائیں تا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو پکڑا جا سکے۔

غرض فرعون بھی اپنی قوم کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ پھر فجر کے وقت بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گیا۔ اب تو بنی اسرائیل گھبرا گئے کیونکہ ان کے سامنے دریا تھا اور پیچھے فرعون کی فوج، انہوں نے سمجھ لیا کہ بس اب مارے گئے، وہ پکار اٹھے:

''یقیناً اب تو ہم پکڑے گئے۔''

موسیٰ علیہ السلام چونکہ نبی تھے...... آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی تھی۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آپ کو فرما دیا تھا کہ خوف کھانے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے آپ نے اپنی قوم سے فرمایا:

''ہم ہرگز نہیں پکڑے جائیں گے...... کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، وہ عن قریب میری رہنمائی کرے گا۔''

بنی اسرائیل کو تسلی دے کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اسی وقت اللہ کا حکم آ پہنچا:

''اے موسیٰ! آپ اپنے عصا کو دریا پر ماریں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو دریا پر مارا، ایسا کرنا تھا کہ دریا فوراً پھٹ گیا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا...... اِدھر کا پانی اُدھر اور اُدھر کا پانی اِدھر دیوار کی صورت میں کھڑا ہو گیا اور درمیان میں بارہ راستے بن گئے۔

بنی اسرائیل کے اس وقت بارہ قبیلے تھے۔ گویا ہر قبیلے کے لیے ایک راستہ بن گیا اور وہ سب اس طرح اس راستے سے گزر گئے جیسے کوئی سڑک پار کرتا ہے۔ حالانکہ دریا بہت گہرا تھا۔

فرعون بھی اپنی فوجوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔ فرعون اور اس کی فوجوں نے دنیا کا حیرت انگیز ترین منظر دیکھا...... دریا کے درمیان راستے بنے ہوئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر گزرے چلے جا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں...... فرعون یہ منظر دیکھ کر بھی فرعون رہا...... اپنی فوج سے کہنے لگا تم نے دیکھا...... یہ سب میری ہی برکت ہے...... چلو جلدی کرو...... اور بنی اسرائیل کو پکڑ لو...... اب یہ لوگ بھی ان راستوں پر اتر گئے اور آگے بڑھنے لگے۔ جب فرعون کے سب آدمی دریا کے درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو مل جانے کا حکم فرمایا۔ ایک لمحے میں پانی مل گیا...... اب وہ غوطے کھانے لگے...... فرعون بھی جب ڈوبنے لگا تو پکارا:

''میں اس بات پر ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی فرماں برداری میں شامل ہوتا ہوں۔''

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اب ایمان لاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو بڑے مفسدوں میں سے تھا، اس کا یہ ایمان اس وقت تھا جب اس کی موت سر پر آگئی۔ ایسے وقت کے ایمان کے بارے میں قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

''جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو انہیں ان کا یہ ایمان لانا کچھ سود مند نہ ہوا۔ (پ 24، ع 14)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتے رہتے ہیں...... غرغرۂ موت سے پہلے تک۔'' (ترمذی)

فرعون کا ڈوبتے وقت توبہ کرنا اور ایمان لانا بھی ایسا ہی تھا کہ جب یقین ہو گیا کہ اب بچنا ناممکن ہے...... اسے یہ بھی یقین ہو گیا کہ موت نے جو اسے آگھیرا ہے، تو یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے کا نتیجہ ہے۔ اور آخرکار فرعون غرق ہو گیا۔ جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ فرعون دریا میں غرق ہو گیا ہے تو انہیں یقین نہ آیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا نے فرعون کی لاش کو باہر نکال کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا تا کہ ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ (تصاویر کے لیے: نقوش تاریخ اسلامی)

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا:

''پس آج ہم تیری لاش کو بچالیں گے، تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک عبرت آموز نشانی ہو۔''

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن دس محرم کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ قرآنِ کریم میں بیان کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بشارت دی۔

بنی اسرائیل دریا پار کر گئے اور وہاں سے آگے بڑھے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بتوں کی پوجا میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

''اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود مقرر کر دے جیسے ان کے معبود ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام آخر اللہ کے نبی تھے۔ اپنی قوم کا ایسا جاہلانہ اور مشرکانہ مطالبہ سن کر غصے میں آگئے، آپ نے فرمایا:

''واقعی تم بڑے جاہل لوگ ہو۔''

پھر آپ نے انہیں نرمی سے سمجھایا:

''یہ لوگ جس دین پر ہیں، وہ یقیناً برباد کیا جانے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، وہ سراسر باطل ہے۔''

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میں تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں اس زمانے میں دوسری قوموں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔''

اس جگہ سے آگے چلے تو یہ لوگ وادیٔ تیہ میں پہنچ گئے۔ وہ ایک بنجر میدان تھا، اس میں سخت گرمی پڑتی تھی، پانی اور سبزے کا نام تک نہیں تھا۔ ایسے میدان میں بھلا کوئی آرام کی زندگی گزار سکتا تھا۔ (قصص الانبیاء)

تیہ کے معنی حیران و پریشان اور سرگرداں ہونے کے ہیں۔ بنی اسرائیل جب یہاں پہنچ گئے تو یہاں سے واپس مصر جانے کی کوشش کرنے لگے...... رات کو سفر شروع کرتے تو رات بھر چلتے رہتے...... صبح ہونے پر خود کو وہیں پاتے جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔

اس طرح وہ چالیس سال تک اس وادی میں گھومتے ہی رہے...... یہ سزا انہیں اس لیے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوم عمالقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا...... اور انہوں نے انکار کر دیا تھا...... اس کی سزا یہ دی گئی کہ چالیس سال تک وادی میں چکر کھاتے رہے اور وہاں سے نکل نہ سکے۔

آخر قوم چلا اٹھی اور کہنے لگی:

''اے موسیٰ! آپ نے تو ہمیں مصر کے پختہ مکانوں سے نکال کر اس میدان میں لا کر ڈال دیا۔ ہم تو یہاں بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔ اس آزادی سے تو وہ غلامی ہی اچھی تھی۔''

ان کی بے قراری دیکھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو طرح طرح کے انعامات عطا کر دیے...... وہاں بارہ چشمے جاری کر دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا کسی پتھر پر مارتے تو وہاں سے چشمہ جاری ہو جاتا۔ اس طرح ہر قبیلے کا ایک چشمہ ہو گیا...... پھر وہاں ابر کا سایہ بھی ہونے لگا۔ اب شدید دھوپ کی جگہ اس سائے نے لے لی...... پھر ایک شکایت انہوں نے کھانے کی چیزوں کی کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا...... ہمارے لیے آسمان سے کھانا نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے من و سلویٰ نازل کر دیا۔ من بھنے ہوئے بٹیر کی شکل میں ہوتا تھا اور سلویٰ ایک میٹھی کھانے کی چیز تھی۔ یہ دونوں کھانے آسمان سے گرتے اور ان کے آگے ڈھیر لگ جاتے...... وہ قوم بہت عجیب تھی...... روز من

وسلویٰ کھا کھا کر بھی تنگ آ گئی اور کہنے لگی:

''ہم ہر روز ایک جیسا کھانا نہیں کھا سکتے...... ہمارے لیے دعا کریں کہ زمین سے سبزیاں اُگ آئیں۔''

ان کا یہ مطالبہ بھی بہت نامعقول تھا...... اس لیے آپ نے اپنی قوم سے کہا:

''کیا تم بہتر چیز کے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز لینا چاہتے ہو؟''

من وسلویٰ جو آسمان سے اترتا تھا، اس قوم کو پسند نہ آیا اور پیاز و لہسن کا مطالبہ کرنے لگی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

''اگر محنت کے بغیر اور پیسے خرچ کیے بغیر تمہیں آسمان سے اتری ہوئی روزی اچھی نہیں لگی تو یہاں سے نکل کر دوسرے شہر چلے جاؤ...... وہاں محنت کر کے اپنے لیے روزی کما کر کھاؤ تا کہ تمہیں خود معلوم ہو کہ من وسلویٰ اچھا تھا یا لہسن، پیاز، ککڑی اور گیہوں اچھے ہیں۔''

فرعون سے آزادی ملنے کے بعد اور وادی تیہ میں ایک مدت گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''باری تعالیٰ! اب مجھے شریعت عطا فرمائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے موسیٰ! کوہِ طور پر آ کر تیس دن گزارو، روزے رکھو، اعتکاف کرو، تا کہ تزکیۂ نفس ہو جائے، اس کے بعد ہم آپ کو اپنی کتاب تورات دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کا اور اضافہ کیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس دن گزارے۔

دس دن کے اضافے کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن مسواک کر لی...... اللہ تعالیٰ کو روزے دار کے منہ کی بو چونکہ مشک سے زیادہ پسند ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا: ''اب دس روزے اور رکھ کر چالیس پورے کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر آپ کو نبوت عطا فرمائی، تورات عطا کرنے سے پہلے تزکیہ نفس

کے لیے آپ کو چالیس روزے رکھنے اور اعتکاف کا حکم ہوا، چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوئے۔ آپ اس میں اس قدر محو ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مطالبہ کر دیا...... آپ نے عرض کیا:

''اے میرے رب! آپ مجھے اپنا جمال دکھا دیں تا کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے...... مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہیے، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہ گیا تو پھر آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی...... اللہ تعالیٰ کی تجلی نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔ آپ ہوش میں آئے تو عرض کیا:

''باری تعالیٰ! آپ کی ذات پاک ہے، میں آپ کی خدمت میں معذرت کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔''

مطلب یہ تھا کہ دیدار کی درخواست کر کے میں نے خطا کی، میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اب میں جان چکا ہوں کہ دنیا میں آپ کا دیدار انسان کے لیے اپنی ظاہری آنکھوں سے بہت مشکل ہے۔ اس معذرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام فرمایا اور بنی اسرائیل کے لیے تورات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

''اے موسیٰ! میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے اور اپنی ہمکلامی کے لیے تمام لوگوں کی نسبت ایک خاص مقام عطا فرمایا ہے، بس جو کچھ میں نے آپ کو عطا کیا ہے، اسے حاصل کر لیں اور شکر کرتے رہیں۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تورات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ضروری چیزوں کی تفصیل موسیٰ (علیہ السلام) کو لکھ کر دی اور کہا کہ اے موسیٰ! ان تختیوں یعنی توراۃ کو پورے عزم کے ساتھ سنبھال کر رکھ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کے بہترین احکام پر قائم رہیں، میں عن قریب تمہیں نافرمانی

کرنے والوں کا گھر دکھاؤں گا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی: ''اے موسیٰ! ہم نے تیری قوم کو تیرے نکل آنے کے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا ہے اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔''

کوہِ طور پر جانے سے پہلے آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا...... آپ چونکہ قوم کے مزاج سے واقف تھے، اس لیے جاتے ہوئے ان سے فرمایا تھا:

''تم ان کی اصلاح کرتے رہنا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص سامری نامی تھا...... وہ منافق تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ گئے تھے کہ وہ تیس دن بعد واپس آئیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے وہاں ٹھہرنے کی مدت میں دس دن کا اضافہ فرمادیا، اسرائیلی قوم پہلے ہی بہت جلد باز تھی۔ آپ کے واپس نہ آنے پر طرح طرح کی باتیں بنانے لگی۔

اس قوم میں ایک شخص سامری نام کا تھا۔ بڑا آدمی مانا جاتا تھا، لیکن تھا غلط آدمی۔ بنی اسرائیل کے پاس کچھ زیورات تھے۔ سامری نے ان لوگوں سے کہا ''تم نے یہ زیورات فرعون کے آدمیوں سے لیے تھے...... اب وہ سب کے سب غرق ہو چکے ہیں اور زیورات تمہارے پاس رہ گئے ہیں۔ یہ زیورات تمہارے لیے حلال نہیں، تم یہ زیورات میرے پاس جمع کرادو۔ ان لوگوں نے وہ زیورات اس کے پاس جمع کرادیے۔ اس نے تمام زیورات کو پگھلایا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی لے آیا۔ یہ مٹی اس نے اس وقت سے جمع کر رکھی تھی جب بنی اسرائیل نے دریائے نیل عبور کیا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی راہنمائی کر رہے تھے۔ یہ شخص اس بات کو جان گیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی خصوصیت رکھدی ہے۔ سامری نے سونے کو پگھلایا اور وہ مٹی اس میں شامل

کر دی۔ اسے بچھڑے کی شکل دے دی۔ وہ بچھڑا آواز دینے لگا......یعنی اس میں سے گائے کی آواز نکلنے لگی۔ سامری کی یہ حیرت انگیز ایجاد سامنے آئی تو سامری کہنے لگا:

''یہ خدا ہے......حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لیے کوہِ طور پر گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) خود یہاں آ گئے ہیں۔''

بنی اسرائیل میں وہ پہلے ہی با اثر آدمی تھا، اب جب اس نے یہ شعبدہ دکھایا تو لوگ اس پر اور زیادہ اعتقاد کرنے لگے۔ بچھڑے کو خدا سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگے۔

سامری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آلِ فرعون کا قبطی تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس میں رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو یہ ساتھ ہو لیا۔

بہرحال اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ہارون علیہ السلام نے قوم کو سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ آپ نے ان سے کہا:

''اے میری قوم! تم اس بچھڑے کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو گئے ہو اور یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہی ہے۔ سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہنا مانو، سامری کی بات نہ مانو۔''

ان لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو جواب دیا:

''جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آ جاتے، ہم تو اس بچھڑے کی عبادت کرتے رہیں گے۔''

ان کی اس ہٹ دھرمی کے باوجود آپ برابر قوم کو سمجھاتے رہے، اس پر ان لاکھوں افراد میں سے صرف بارہ ہزار نے حضرت ہارون علیہ السلام کی بات مانی، باقی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی:

''اے موسیٰ! ہم نے تیری قوم کو تیرے نکل آنے کے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا ہے اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔''

یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حد درجے تکلیف دہ تھی۔ آپ واپس پہنچے

تورات کی تختیاں ایک طرف رکھ دیں، اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا، اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

''اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیں...... سو تم دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دو اور مجھے ظالم لوگوں میں شریک نہ کرو۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''اے ہارون! جب تو نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تجھے میرے حکم کی پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا...... کیا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔''

یعنی میں تمہیں خلیفہ بنا کر گیا تھا...... اور حکم دے کر گیا تھا کہ ان کی اصلاح کرتے رہنا...... پھر تم نے ان کی اصلاح کیوں نہ کی...... بچھڑے کو پوجنے والے ان لوگوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا۔ آپ کو ان پر اس قدر غصہ آیا کہ ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے، اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

''اے میرے ماں جائے! تو میری ڈاڑھی نہ پکڑ اور نہ سر کے بال پکڑ۔ میں اس بات سے ڈرا کہ تو یوں نہ کہے کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور تو نے میری بات کا لحاظ نہ رکھا۔''

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے میرے رب! میری اور میرے بھائی کی کوتاہی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف آئے، اس سے فرمایا:

''اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے...... تو نے کیوں یہ حرکت کی...... بچھڑا کیوں بنایا؟''

جواب میں سامری بولا:

''میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی...... تو میں اس فرشتے کے قدموں کے نشانات ایک مٹھی مٹی کی بھری، پھر میں نے وہ مٹی اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔''

اس کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

''چل دور ہو، تیری سزا اس زندگی میں یہ ہے کہ تو لوگوں سے کہتا پھرے کہ کوئی مجھے ہاتھ نہ لگائے اور تیرے لیے ایک وعدہ مقرر ہے جس کا تجھ سے خلاف نہیں کیا جائے گا...... اور تو اپنے معبود کو دیکھ جس کی پوجا پر تو جما بیٹھا ہے...... ہم اسے جلا دیں گے اور اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیں گے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ بنی اسرائیل سے اچھوتوں کی طرح الگ تھلگ اور دور رہتا...... اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے ملتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا، لوگ اس سے دور بھاگنے لگے، اس سے نفرت کرنے لگے، وہ آبادی سے الگ تھلگ رہنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بنائے ہوئے بچھڑے کو آگ میں جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا۔ یہ سب باتیں بنی اسرائیل کے سامنے ہوئیں۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اب وہ کہنے لگے:

''اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بے شک ہم بڑے نقصان میں رہیں گے۔''

سامری سے فارغ ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''باری تعالیٰ! میری قوم سامری کی باتوں میں آکر شرک میں مبتلا ہوگئی...... اب اس کی توبہ کیونکر قبول ہوسکتی ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس قوم کی توبہ کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اپنے اس جرم کی سزا میں قتل ہوں تاکہ انہیں اس گناہ کی سزا دنیا میں مل جائے اور دوسرے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور دوسری یہ ہے کہ ہر مجرم کو اس کا قریبی رشتہ دار قتل کرے۔''

بنی اسرائیل کو اللہ کے اس فیصلے کے آگے جھکنا پڑا، پھر ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں کی گردنیں اڑائیں گئیں...... بے گناہ رشتہ داروں نے اپنے گناہ گار رشتہ داروں کو قتل

کیا...... جب قتل شروع کیا گیا...... اس وقت ان لوگوں پر ابر یا آندھی سے تاریکی چھا گئی۔ جب تقریباً ستر ہزار آدمی قتل کیے جا چکے، اس وقت تاریکی مٹ گئی اور روشنی ہوگئی، اس وقت قتل کے روکنے کا حکم ہوا، جو قتل ہو گئے تھے اور جو رہ گئے تھے ان سب کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان کیا گیا۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا:

''تم خدا کا شکر ادا کرو، اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ اب تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تورات مجھے عطا کی ہے، اس کی ہدایات پر عمل کرو۔''

وہ قوم بھی بہت عجیب قوم تھی، کہنے لگی:

''اے موسیٰ! ہم تمہاری یہ بات کیسے مان لیں کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔''

گویا ایک نبی کی بات کے سچا ہونے میں انہیں شک تھا...... ایسے لوگوں کا ایمان بھی کیا۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے کہا:

''ہم یہ بات کس طرح مان لیں کہ یہ کلام واقعی اللہ تعالیٰ کا ہے، ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔''

انہیں اطمینان دلانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ارشاد ہوا:

''آپ اس قوم کے 70 آدمیوں کو کوہِ طور پر لے آئیں۔ ہم خود انہیں اپنا کلام سنا دیں گے، اس سے انہیں یقین آ جائے گا۔''

موسیٰ علیہ السلام نے ان سب سے 70 آدمی منتخب کیے اور کوہِ طور پر لے گئے۔ وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کلام انہوں نے اپنے کانوں سے سن لیا۔ جب یہ بات بھی پوری ہوگئی تو اب وہ کہنے لگے:

''ہمیں کیا معلوم، یہ آواز اللہ تعالیٰ کی ہے یا کسی اور کی، ہم تو جب یقین کریں گے جب صاف طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔''

ان کا یہ مطالبہ چونکہ ہٹ دھرمی تھا، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ ان

کے نیچے سے زلزلہ آیا اوپر سے بجلی کی کڑک آئی...... اس سے یہ سب کے سب بے ہوش ہوکر گر گئے، ظاہر میں مر گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بہت صدمہ ہوا۔ ایک تو یہ آپ کی قوم کے منتخب لوگ تھے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام اس بات سے پریشان ہو گئے کہ اب اپنی قوم کے پاس جا کر کیا کہیں گے...... وہ تو الزام لگا دیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہیں لے جا کر قتل کرا دیا، لہٰذا وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے پروردگار! میں جانتا ہوں...... اس واقعے سے آپ کا مقصد انہیں ہلاک کرنا نہیں ہے، ان کی گستاخی کو معاف کر دیجئے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد زندہ کر اٹھایا، تاکہ تم احسان جانو۔''

ان ستر آدمیوں نے واپس آ کر ساری تفصیل سنا دی۔ اس بات کی تصدیق کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، بالکل درست ہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا کہ ہم نے بھی غیبی آواز سنی تھی۔

ان حضرات کی تصدیق کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ سب لوگ تورات کے احکامات پر عمل شروع کر دیتے، مگر انہوں نے اب بھی بہانے شروع کر دیے، کبھی کہتے:

''تورات کے احکامات بہت سخت ہیں، ان پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔''

اور کبھی کہتے:

''ہمارے ان ستر آدمیوں کے طور سے واپس لوٹتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا تھا کہ تم سے یہ عمل ہو سکے تو کر لینا، نہ ہو سکے تو نہ کرنا۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان باندھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی ان باتوں سے بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے سروں پر لا کھڑا کیا...... اور حکم دیا:

''جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے، اسے پورے عزم کے ساتھ اور قوت سے قبول کرو۔''

پہاڑ کو اپنے سروں پر دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرا گئے اور سجدوں میں گر کر توبہ کرنے لگے...... وہ خوفزدہ تھے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر نہ جائے اور وہ اس کے نیچے دب کر مر نہ جائیں۔ اب ان لوگوں سے عہد لیا گیا...... لیکن پہاڑ کے سروں پر سے ہٹا دیے جانے کے بعد وہ پھر عہد سے پھر گئے...... اس عہد شکنی کی سزا کے طور پر اگر اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کو کون روک سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کے باوجود ایک بار پھر ان پر اپنا فضل فرمایا۔ اس قدر بڑی گستاخی پر بھی پکڑ نہیں فرمائی۔

اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ قوم عمالقہ سے جہاد کریں اور اپنا وطن ان سے واپس لیں۔ قومِ عمالقہ ان کے آبائی وطن پر قابض ہو گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

''اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو زمین اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں لکھ دی ہے اور پیٹھ دکھا کر واپس مت جاؤ، ورنہ سخت نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ آگے بڑھو اور قومِ عمالقہ سے جنگ کر کے اپنا آبائی ملک واپس لے لو...... اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تمہاری کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔''

اس عجیب ترین قوم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی نہ مانا اور کہنے لگی:

''اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں...... جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم تو وہاں قدم بھی نہیں رکھیں گے۔''

ان میں خدا سے ڈرنے والے بھی کچھ لوگ موجود تھے، انہوں نے باقی لوگوں کو سمجھایا اور یوں کہا:

''تم ان لوگوں پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھس جاؤ گے تو یقین مانو، تم ان پر غالب آ جاؤ گے، اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

اب ان لوگوں نے طے کیا کہ حملہ کرنے سے پہلے بارہ آدمی ادھر بھیجے جائیں جو اس قوم

عمالقہ کا جائزہ لے کر رپورٹ دیں۔ان بارہ میں سے دو ایسے خدا ترس آدمی تھے کہ انہوں نے عمالقہ پر چڑھائی کرنے کا مشورہ دیا۔ان دونوں کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے۔ان میں سے یوشع بن نون بعد میں نبی ہوئے۔ان دونوں نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا۔یہاں تک کہا: ''تم لوگ ہمت کر کے پھاٹک تک تو چلو...... پھر دیکھنا اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری مدد کرتا ہے۔''

اب انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ تکلیف دہ جواب دیا...... کہنے لگے:

''اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم اس سرزمین میں کہیں داخل نہیں ہوں گے۔اے موسیٰ! تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''

یہ جواب حد درجے بے ادبی کا جواب تھا...... اندازہ لگایئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا گزری ہوگی، آپ نے درد بھرے انداز میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اے میرے رب! میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا...... سو تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔''

تو آپ کی اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''اب وہ مقدس سرزمین ان پر چالیس سال کے لیے روک دی گئی ہے، یہ زمین کے ایک خاص حصے میں سرمارتے پھریں گے...... سوائے موسیٰ! آپ اس نافرمان قوم کے حال پر رنج نہ کر۔''

اس طرح اس قوم کو حکم عدولی کی سزا کے طور پر 40 سال کے لیے وادیٔ تیہ میں قید کر دیا گیا۔وہ اس میدان سے باہر نکلنے کے لیے پوری پوری رات گھومتے رہتے مگر کولہو کے بیل کی طرح وہیں رہتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات بھی آپ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر نبی تھے یا نہیں۔بعض علماء نے آپ کو نبی مانا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بار لوگوں کو وعظ کر رہے تھے کہ کسی نے پوچھا:

''اے موسیٰ! یہ بتایئے کہ اس وقت آپ سے بڑا عالم کون ہے؟''

اب چونکہ آپ نبی تھے اور اپنے وقت میں نبی سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ نے جواب دیا کہ اس وقت بڑا عالم میں ہی ہوں...... یہ جواب یوں تو درست تھا، لیکن نبوت کے مقام کے خلاف تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ یعنی ایسے سوال کے جواب میں آپ کو کہنا چاہیے تھا:

''اللہ تعالیٰ کو ہی اس بات کا علم ہے۔''

چونکہ آپ کا جواب اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا، اس لیے وحی نازل ہوگئی۔

''اے موسیٰ! ہمارا ایک بندہ جو بعض باتوں کا تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس سے ملاقات کرو۔''

آپ نے پوچھا:

''اے باری تعالیٰ...... وہ بندہ کہاں ملے گا؟''

جواب ملا: ''ہمارے اس بندے کے ملنے کی جگہ وہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ تم ایک مچھلی تل کر زنبیل میں رکھ لو، اس کے بعد ان کی تلاش میں نکلو، جس جگہ مچھلی زنبیل سے نکل کر دریا میں چھلانگ لگا دے، وہیں ہمارا بندہ ملے گا۔''

آپ نے ایسا ہی کیا، اپنے خادم یوشع بن نون کو ساتھ لیا اور چل پڑے۔ سفر کے دوران ایک بند کے پاس پہنچ کر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اس مقام پر وہ تلی ہوئی مچھلی اچانک حرکت میں آئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔ مچھلی کے زندہ ہونے اور دریا میں چلے جانے کے علاوہ ایک اور معجزہ ہوا، کہ جس راستے سے مچھلی دریا میں گئی۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا بہاؤ روک دیا...... اور اس جگہ پانی کے اندر ایک سرنگ سی بن گئی۔

حضرت یوشع بن نون یہ عجیب ترین واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ واقعہ بتانا بھول

گئے۔ دونوں اس جگہ سے آگے روانہ ہوئے...... پورے ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کیا، دوسرے روز صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون سے فرمایا:

''ہمارا کھانا لاؤ۔''

اس وقت انہوں نے کہا:

''وہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی۔''

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''وہی تو ہماری منزل تھی۔''

چنانچہ فوراً وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور اس بند کے پاس پہنچے...... وہاں پتھر پر ایک شخص سر سے لے کر پیر تک چادر تانے لیٹا تھا...... موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس حالت میں سلام کیا، وہ بولے:

''اس غیر آباد جنگل میں سلام کہنے والا کہاں سے آگیا۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''میں موسیٰ ہوں۔''

تب حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: ''بنی اسرائیل کے موسیٰ؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں...... میں بنی اسرائیل کا موسیٰ ہوں...... میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔''

اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

''آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اے موسیٰ! میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، وہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ ایک علم آپ کو دیا ہے جو میں نہیں جانتا۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔''

اب حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر آپ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں تو

کسی معاملے کے بارے میں مجھ سے پوچھیے گا نہیں۔''

اس کے بعد یہ حضرات دریا کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ ایسے میں ایک کشتی آ گئی انہوں نے کشتی والوں سے کشتی میں سوار ہونے کی بات کی۔ ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور انہیں سوار کر لیا۔ کشتی میں سوار ہوتے ہی حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑی کے ذریعے کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا، بول اٹھے:

''یہ کیا کرتے ہیں، ان لوگوں نے بغیر کرائے کے ہمیں سوار کر لیا اور آپ نے کشتی توڑ دی، آپ نے برا کیا۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا:

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام بولے:

''میں بھول گیا تھا...... آپ سخت رویہ اختیار نہ کریں۔''

اب آپ لوگ کشتی سے اتر کر ساحل پر چلنے لگے۔ اچانک حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا، وہ دوسرے لڑکوں سے کھیل رہا تھا۔ آپ نے اس لڑکے کے سر پر وار کیا...... وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ فوراً بول پڑے:

''آپ نے ایک معصوم لڑکے کی جان لے لی...... بغیر جرم کے اسے قتل کر دیا۔ یہ تو آپ نے برائی کا کام کیا۔''

حضرت خضر بولے: ''میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

''ٹھیک ہے...... اب اگر میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جائیے گا۔''

اب پھر انہوں نے چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک گاؤں پہنچ گئے۔ آپ نے گاؤں

والوں سے درخواست کی کہ ہمیں یہاں ایک رات مہمان رکھ لیں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس بستی میں انہوں نے ایک دیوار دیکھی۔ وہ گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے حیران ہو کر کہا: ''میں نے ان لوگوں سے درخواست کی تھی کہ ہمیں ایک رات ٹھہرا لیں...... انہوں نے نہیں ٹھہرایا...... اور آپ نے ان کا اتنا بڑا کام کر دیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے۔''

اب حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

''بس شرط پوری ہو گئی...... اب ہمارے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔''

اس کے بعد حضرت خضر نے ان تینوں واقعات کی وضاحت یوں کی:

''اب سنیے! میں نے وہ کشتی اس لیے توڑی تھی کہ وہ چند غریب لوگوں کی تھی، اور ان اطراف میں جدھر وہ جا رہے تھے، ایک بادشاہ تھا، وہ ہر بے عیب چیز کو اپنے قبضے میں لے لیتا تھا۔ رہا وہ لڑکا...... اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ماں باپ دونوں ایمان والے تھے، ہم اس بات سے ڈرے کہ کہیں یہ ان ماں باپ پر سرکشی نہ کرے اور انہیں کفر میں مبتلا نہ کر دے، بعد ازاں اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی دی جو ایک نبی کی زوجہ بنی۔ اس لڑکی سے پھر نبی پیدا ہوئے۔ یہ اس لڑکے کے والدین کو صلہ ملا اور جن لوگوں نے ہمیں مہمان نہ ٹھہرایا...... اس بستی کی ایک دیوار اس لیے درست کر دی کہ وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ان لڑکوں کا مال دفن تھا، ان کا مرحوم باپ ایک نیک آدمی تھا۔ پس آپ کے رب نے اپنی رحمت سے چاہا کہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ کر اس خزانہ کو لے لیں...... اور ان تمام کاموں میں سے کوئی کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔''

اس وضاحت کے بعد حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے۔

پھر چالیس سال پرانے لوگ فوت ہو گئے۔ میدانِ تیہ میں ایک پہاڑ ''ہور'' نام کا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اور ان کے بیٹے کو اس پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ کی عبادت کرنے کے لیے پہاڑ کی وہ چوٹی بہت پسند آئی...... وہ وہاں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ پہاڑ کی اس چوٹی پر ایک تخت نما چبوترہ تھا، حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

''میرا اس جگہ آرام کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ آپ یہیں میرے ساتھ رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھائی کی درخواست مان لی۔ ہارون علیہ السلام نے آرام کرنے کے لیے اپنا سر اس جگہ پر رکھا۔ بس اس وقت آپ کا وقت پورا ہو گیا...... آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھتیجے کے ساتھ نیچے وادیٔ تیہ میں آئے اور بنی اسرائیل کو آپ کی وفات کی خبر دی۔ انہیں یقین نہ آیا، جب آپ نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تو الٹا کہنے لگے:

''آپ نے انہیں خود مارا ہے۔''

ان کے اس الزام نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی...... ادھر انہوں نے یہ مطالبہ داغ دیا:

''ہمیں حضرت ہارون علیہ السلام کی لاش دکھائی جائے۔''

آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو لاش ان کے سامنے کر دی گئی...... پھر خود حضرت ہارون علیہ السلام زندہ ہو کر بول پڑے:

''اے میری قوم! مجھے میرے بھائی نے نہیں مارا بلکہ مجھے تو اللہ کے حکم سے موت آئی ہے۔''

یہ کہتے ہی آپ پھر مردہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کی لاش پھر غائب ہو گئی۔ اس طرح ان لوگوں کو آپ کی موت کا یقین آیا۔

ان تمام واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کس قدر نافرمان تھی، کس قدر ناشکر گزار تھی۔ اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی بھی موت کا وقت آ گیا...... ملک الموت آپ کے پاس

آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو آپ نے انہیں ایک تھپڑ دے مارا۔ اس سے ان کی آنکھ باہر آ گئی۔ ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ کے حکم سے آنکھ درست ہوگئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ ملک الموت آپ کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے اور بلا اجازت آپ کے گھر میں داخل ہو گئے تھے۔ آپ پہچان نہ سکے اور غصے میں آ کر تھپڑ مار دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے فرمایا:

''تم میرے بندے موسیٰ کے پاس جاؤ...... ان سے کہنا کہ وہ اپنا ہاتھ کسی بیل یا بھیڑ کی کمر پر رکھ دیں۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

''اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

ملک الموت نے کہا:

''جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر بال کے بدلے میں آپ کی عمر ایک سال بڑھا دی جائے گی۔''

اس پر آپ نے پوچھا: ''پھر کیا ہوگا؟''

انہوں نے کہا: ''پھر بھی موت ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''مجھے ہر حال میں موت آنی ہے تو پھر دیر سے کیا فائدہ؟''

اس کے بعد ملک الموت نے آپ کو جنت کا ایک سیب دیا۔ آپ نے جونہی اسے سونگھنے کے لیے ناک سے لگایا...... آپ کا اسی وقت انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے وقت آپ کی عمر 120 سال تھی، آپ کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون، حضرت حزقیل، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ذوالکفل، حضرت شمویل علیہم السلام ترتیب وار نبی ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک بہت زیادہ دولت مند شخص تھا۔ اس کا نام قارون تھا۔ اس کے پاس ہیرے جواہرات کے خزانے تھے۔ ان خزانوں کی صرف کنجیاں کئی طاقت ور مزدور مل کر اٹھا سکتے تھے۔

اس کی دولت نے اسے حد درجے مغرور بنا دیا تھا۔ وہ دولت کے نشے میں چور تھا۔ اپنے مقابلے میں دوسروں کو بالکل حقیر جانتا تھا۔

یہ شخص رشتے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا۔ مطلب یہ کہ اس کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جاملتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر میں تھے تو یہ شخص فرعون کا درباری تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اسے نصیحت کی:

''اے قارون! اللہ تعالیٰ نے تجھے بے شمار دولت عطا کی ہے، عزت عطا فرمائی ہے، تجھے چاہیے کہ اس کا شکر ادا کرے۔ زکوٰۃ اور صدقات دے کر غریبوں کی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ کو بھول جانا، اس کے احکامات کی خلاف ورزی کرنا سرکشی ہے۔ اس نے جو عزت تمہیں دی ہے، اس کی وجہ سے سرکشی پر اتر آنا بہت بڑی گمراہی ہے۔''

قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ نصیحت بہت ناگوار گزری۔ اس نے پرغرور انداز میں کہا:

''میری یہ دولت تیرے اللہ کی دی ہوئی نہیں ہے، یہ دولت تو میں نے اپنی عقل سے کمائی ہے۔ تیری نصیحت مان کر میں اپنی دولت برباد نہیں کرسکتا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے برابر نصیحت کرتے رہے۔ قارون آپ کی نصیحتوں سے تنگ آ گیا۔ اس نے آپ کو اپنی شان و شوکت دکھانے کا ارادہ کرلیا۔ ایک دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام سنا رہے تھے۔ تو یہ اپنے خزانوں کے ساتھ آپ کے سامنے سے گزرا۔

بنی اسرائیل کے لوگوں نے جب اس کی اس قدر دولت دیکھی تو ان میں سے کچھ پکار اٹھے:

''اے کاش! یہ دولت اور عزت ہمیں بھی حاصل ہوتی۔''

ان میں جو عقل مند تھے، انھوں نے کہا:

''خبردار! اس دنیاوی دولت پر نہ جانا، اس کے لالچ میں گرفتار نہ ہونا۔ عنقریب تم دیکھو گے، اس دولت کا کیا انجام ہونے والا ہے۔''

جب قارون کا غرور حد سے بڑھ گیا، اس کی دولت کے نظاروں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اللہ تعالیٰ کی غیرت حرکت میں آئی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اور قارون اپنی ساری دولت سمیت زمین میں دھنس گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین کے اندر دھنسا دیا۔''

سورۃ القصص آیت 76 تا 83 میں یہ ذکر آیا ہے (قصص القرآن)

حضرت یوشع علیہ السلام

سیدنا حضرت یوشع علیہ السلام، کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آچکا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تھے تو حضرت یوشع بن نون آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت یہ آپ کے خادم تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ یوشع میرا خاص بندہ ہے اور بنی اسرائیل کے نوجوان اسی کی قیادت میں کنعان اور بیت المقدس کو مشرکین سے پاک کریں گے۔ (قصص القرآن)

آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ گویا آپ بھی بنی اسرائیل سے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

''یوشع بن نون بن فراہیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے قومِ عمالقہ سے جہاد کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں میدانِ تیہ میں قید کر دیا اور وہ وہاں چالیس سال تک بھٹکتے رہے...... پرانے لوگ مرکھپ گئے۔ وہیں حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی

میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو قومِ عمالقہ سے جنگ کرنے کے لیے لشکر کا سالار مقرر کیا تھا۔

چالیس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر قومِ عمالقہ سے جنگ کریں......اور بیت المقدس کو فتح کریں۔

آپ نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے۔ آپ کی آواز پر لوگ جنگ کے لیے تیار ہو گئے......وادیٔ تیہ سے نکل کر قومِ عمالقہ کے مقابلے میں ڈٹ گئے......بنی اسرائیل نے زبردست مقابلہ کیا......دشمن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، یہ حضرات آگے بڑھتے چلے گئے......کامیابی ان کے قدم چومتی چلی گئی......اس طرح بنی اسرائیل اس سرزمین پر قابض ہو گئے۔

بیت المقدس ان کا پرانا وطن تھا......قومِ عمالقہ نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ لہٰذا اس کامیابی پر انہیں بہت خوشی ہوئی......اب اور انعام اللہ نے ان پر یہ کیا کہ ان کے ساتھ ایک صندوق تھا۔ اس صندوق کو صندوقِ سکینہ کہا جاتا ہے۔ یہ صندوق بھی اس جنگ میں ساتھ ساتھ تھا۔ اس صندوق کے بارے میں تفاسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ورثہ تھا......اس میں توریت کا اصل نسخہ موجود تھا......انبیاء کرام کے تبرکات تھے۔ اسرائیلی اسے انتہائی برکت کی چیز سمجھتے تھے۔ سفر میں اور جنگ میں اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اسی طرح اس کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل جنگ کے لیے تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرانے زمانے کا صندوق یعنی تابوتِ سکینہ ان کے ساتھ تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، کرتہ، حضرت ہارون علیہ السلام کا مرتبان اور ان کے علاوہ دوسرے تبرکات تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اسے محفوظ کرلیں تاکہ تمہاری آیندہ نسلیں بھی اسے دیکھ سکیں کہ تم پر اللہ کا ایک انعام ہوا تھا۔ (قصص القرآن جلد ۲)

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ بنی اسرائیل اپنے وطن پہنچ جائیں تو اس کے اسباب

بھی پیدا کر دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی وجہ سے جو کام نا تمام رہ گیا تھا، وہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے مکمل کیا، نہ صرف یہ کہ بیت المقدس واپس ملا بلکہ کنعان کا پورا علاقہ بھی واپس مل گیا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے ہجرت کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو لے کر مصر آ کر بس گئے تھے۔ گویا ارضِ فلسطین، اس میں واقع بیت المقدس، کنعان اور آس پاس کا علاقہ بنی اسرائیل کے قبضے میں آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے اریحا میں سب سے پہلے عمالقہ کو شکست دی اور اس کے بعد کنعان کو فتح کرتے ہوئے ارضِ فلسطین جا پہنچے اور بیت المقدس کو بھی فتح کر لیا۔ یہ مقام ان کی فتوحات کا مرکز تھا۔ اس فتح کے بعد یہ قوم پھر اپنے باپ دادا جیسی باتیں کرنے لگی...... اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں فرمایا۔

''شہر کے دروازے میں عاجزی سے کمر جھکا کر داخل ہونا...... اور زبان سے یہ کہتے جانا، ہمیں بخش دے...... ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو ہم مزید آسانیاں دیا کرتے ہیں۔''

اب ان میں جو لوگ غلط تھے، انہوں نے اس حکم کے الفاظ کو بدل دیا...... جس کی انہیں ہدایت کی گئی تھی...... اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی آسمان سے ان پر عذاب نازل ہوا۔

اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل وادیٔ تیہ میں پڑے پڑے گھبرا گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے کسی شہر میں جانے کا حکم دیا۔ لیکن بستی یا شہر میں داخل ہوتے وقت یہ ہدایت کی گئی کہ سجدہ کر کے اور شکرانے کے نفل پڑھ کر داخل ہونا یا عاجزی سے سر جھکانے کا حکم ہوا تھا...... اور یہ فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور انعامات سے نوازیں گے۔ لیکن ان ظالموں نے اس ہدایت کے الفاظ بدل دیے...... اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی، تب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، یہ عذاب طاعون کا تھا، ستّر ہزار یہودی اس عذاب سے مارے گئے۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام خود اللہ

کے احکامات پر عمل کرتے رہے اور لوگوں کو ان تعلیمات پر عمل کراتے رہے۔ آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت طالوت کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، آپ نے 110 سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب دفن ہوئے۔

سیدنا حزقیل علیہ السلام

آپ کا اصل نام حزقی ایل ہے۔ یہ عبرانی زبان کے دولفظ ہیں۔ حزقی کے معنی قدرت اور طاقت کے ہیں۔ ایل کا مطلب ہے اللہ...... اس طرح اس نام کے معنی ہوئے قدرت اللہ۔ بنی اسرائیل میں حزقیل کا مطلب زبردست عالم اور شیخِ کامل تھا۔

آپ کم عمر ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی والدہ بہت بوڑھی ہوچکی تھیں۔ اسی لیے اسرائیلی آپ کو بڑھیا کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ قرآنِ کریم میں آپ کا ذکر تفصیل سے نہیں ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ سورۂ بقرہ پارہ نمبر 2 کے سولہویں رکوع میں جس قوم کا ذکر ملتا ہے، اس کے نبی حزقیل علیہ السلام تھے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم فلاں دشمن سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہوجاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرو تو یہ سن کر سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ستّر آدمیوں کے علاوہ سب ایک وادی میں چلے گئے اور وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ اپنی کم عقلی سے وہ قوم یہ خیال کر بیٹھی کہ ہم موت سے بچ نکلے ہیں اور اب ہمیں موت نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا دنیا والوں کو دکھایا دیا جائے کہ موت سے ڈر کر آدمی کہیں بھی چلا جائے، موت وہیں آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بھیج دیا۔ انہوں نے اس میدان میں ٹھہرے ہوئے ان

لوگوں پر ایسی چیخ ماری کہ اس کی ہیبت سے اسی وقت سب مردہ ہو کر ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ بچا...... آس پاس رہنے والوں کو جب اس دردناک واقعے کی اطلاع ملی تو وہ وہاں پہنچے۔ ان لوگوں نے مرنے والوں کے گرد ایک دیوار کھینچ دی...... اس طرح ان کی لاشیں اسی طرح پڑے پڑے گل سڑ گئیں، صرف ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔

کافی مدت بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر اس طرف سے ہوا تو آپ نے دعا فرمائی:

"یا اللہ! انہیں پھر زندہ کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور انہیں زندہ کر دیا۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے تذکرہ میں تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا، دوسرے یہ کہ جہاد سے منہ موڑنے پر اللہ کا عذاب آتا ہے اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ جب انسان کا وجود نہیں تھا تو اس وقت بھی تو اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تھی۔

حضرت الیاس علیہ السلام

آپ اردن کے علاقے جل عاد میں پیدا ہوئے، آپ کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، ان میں سے کچھ تو وہ ہیں کہ ان کے حالات ہم نے آپ سے بیان کر دیے اور بعض ان میں وہ ہیں جن کا بیان ہم نے آپ سے نہیں کیا۔''

آپ کے زمانے میں جس بادشاہ کی حکمرانی تھی، اس کا نام اخی اب یا احب تھا۔ اس کی بیوی کا نام ایزبل تھا۔ یہ بعل نامی بت کی پوجا کرتی تھی...... اس بادشاہ کا زمانہ 774 تا 854 ق م ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 854 سال پہلے کا زمانہ تھا۔

اس بادشاہ کے زمانے میں غیر قوموں میں شادیاں ہوتی تھیں...... اس طرح کوئی عورت اپنے ساتھ بعل کی پوجا بھی لے آئی۔ رفتہ رفتہ یہ شرک ساری قوم میں پھیل گیا۔

بنی اسرائیل کے انبیاء کرام نے اس شرک کا مقابلہ پورے زور سے کیا۔ ان میں اہم نام حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے۔

قرآن مجید میں آپ کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام کے لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجا۔ آپ کی تبلیغ کا

مرکز شام کا مشہور شہر بعلبک تھا۔ بعل ایک بُت کا نام تھا۔ اسی بت کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا تھا۔ یہ قوم اس بت کی پوجا کرتی تھی۔ یہ بت بہت پرانا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اس بت کی پوجا کی جاتی تھی۔ مختلف موسموں میں اس کے گرد میلے لگا کرتے تھے۔ اس پر سونے چاندی کے نذرانے چڑھائے جاتے تھے۔ اسے خوشبو کی دھونی دی جاتی تھی۔ جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ بلکہ انسانوں کی قربانی دینے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ خود یہ بت سونے کا تھا۔ بیس گز لمبا تھا، اس کے چار منہ تھے۔ (قصص القرآن)

حضرت الیاس علیہ السلام نے جب قوم کو یہ سب کرتے دیکھا تو اس سے فرمایا:

''کیا تم بعل نامی بت کو پوجتے ہو اور اسے چھوڑتے ہو جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ وہ معبود برحق تمہارا بھی رب ہے اور وہی تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔''

آپ نے اس قوم کو ہی تبلیغ نہیں کی بلکہ وقت کے بادشاہ اخی اب کو بھی حق کا پیغام پہنچایا اور فرمایا:

''تم بے حس وحرکت اور بے جان بت یعنی بعل کی پوجا کرتے ہو، یہ کھلا شرک ہے۔ جو خود بھی اور ساتھ میں تم سب کو بھی جہنم میں لے جائے گا۔ حقیقت میں عبادت کے لائق تو میرا رب ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

آپ کی تبلیغ کی وجہ سے قوم تو پہلے ہی آپ کی مخالف ہو چکی تھی، اب بادشاہ اور اس کی بیوی بھی آپ کے خلاف ہو گئے۔

انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا، آپ کو تکالیف دیں۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ سب آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ آپ شہر چھوڑ کر ایک پہاڑ کے غار میں چلے گئے۔ وہ لوگ آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ستانے اور جھٹلانے کی انہیں یہ سزا دی کہ انہیں قحط میں مبتلا

کر دیا۔ تین سال تک ایک بوند پانی نہ برسا۔ وہ لوگ بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔ اسی دوران حضرت الیاس علیہ السلام غار سے نکل کر ان کی طرف آئے تو انہیں عذاب میں گرفتار دیکھا۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا:

''یہ تمہارا بعل کب کام آئے گا۔ اس سے کہو، بارش برسائے تا کہ تمہیں قحط کے عذاب سے نجات ملے۔''

آپ کی بات سن کر ساری قوم بعل کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے مگر وہ بے جان بت بارش کیسے برسا سکتا تھا۔ جب تھک گئے تو حضرت الیاس علیہ السلام سے کہنے لگے:

''اے الیاس! تیرا خدا کون سا ہے، تو اس سے بارش کی دعا کر کے دکھا۔''

آپ نے رب العالمین کے حضور دعا کی...... دعا کرنے کی دیر تھی کہ بارش شروع ہو گئی، زمین سر سبز ہونے لگی۔

اس قوم نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن ایمان پھر بھی نہ لائی۔ الٹا حضرت الیاس علیہ السلام سے کہنے لگی:

''سب تیرا جادو ہے۔'' (معاذ اللہ)

یہ الزام ایسا ہی تھا جیسا کہ آپ سے پہلے آنے والے انبیاء کو ان کی قومیں لاجواب ہو کر دیتی رہی تھیں۔

اور یہ باتیں ہیں اس زمانے کی جب کہ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور یہ قوم اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جھٹلانے پر چالیس سال تک سزا بھگت چکے تھے۔ اس سب کے باوجود انہوں نے بعل کی پوجا شروع کر دی...... غرض یہ قوم گمراہی میں ڈوبی رہی...... اور حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔

سیدنا الیسع علیہ السلام

آپ بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں۔ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کے نائب اور خلیفہ تھے۔ شروع ہی سے آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ آپ اس قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ قرآن کریم میں آپ کا ذکر الگ آیا ہے۔ پارہ 7 کے رکوع 15 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو ہدایت عطا کی اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانے میں اقوامِ عالم میں فضیلت دی۔''

اسی طرح پارہ 23 رکوع 13 میں ارشاد ہے: ''اور آپ اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب بھی بہترین لوگوں میں سے تھے۔''

آپ بڑی دردمندی کے ساتھ بنی اسرائیل کو تبلیغ کرتے رہے، انہیں شرک سے روکتے رہے، آپ کی تبلیغ کے باوجود قوم شرک میں مبتلا رہی، اور ظاہر بات ہے، جب انسان اپنی محنت کا اثر نہ دیکھے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ عام آدمی پر اثر ہوتا ہے تو نبی کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے، چنانچہ دل برداشتہ ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''اے پروردگار مجھے اٹھا لے۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔زیادہ تر حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ نبی تھے اور بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے۔آپ تبلیغ کے کام میں مصروف رہے۔آپ کے زمانے میں کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔اس لیے قرآن مجید میں صرف آپ کا نام لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''(ان رسولوں میں سے) کچھ تو وہ ہیں کہ ان کے حالات ہم نے آپ سے بیان کردیے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا بیان ہم نے آپ سے نہیں کیا۔''

اسی طرح تورات میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے۔

سیدنا شمویل علیہ السلام

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے جب وادئ مقدس کو فتح کر لیا تو اس کے بعد آپ زندگی کے آخری لمحات تک بنی اسرائیل کو توراۃ کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے ان کے آپس کے جھگڑوں کے لیے ایک محکمہ بھی قائم کر دیا۔ اس محکمہ میں قاضی حضرات ان کے مقدمات سنا کرتے تھے۔ ان قاضی حضرات میں سیدنا شمویل علیہ السلام بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ بنی اسرائیل کو ہدایت کا کام اب ان کے سپرد ہوا۔

جب حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ مصر اور فلسطین کے درمیان بحرِ روم میں عمالقہ قوم آباد تھی۔ ان کا ایک بادشاہ جالوت بہت ظالم اور جابر تھا۔ جالوت نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کر کے ان کی آبادیوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل کے بہت سے سرداروں اور قبیلوں کے بڑے لوگوں کو گرفتار کر کے باقی لوگوں پر خراج یعنی ٹیکس لگا دیا۔ توراۃ کی بے حرمتی کی۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ دور بہت نازک تھا اور ایسا اس وقت ہوا تھا جب حضرت الیسع علیہ السلام وفات پا چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل کا کوئی نبی نہیں تھا۔ خاندانِ نبوت میں البتہ ایک غریب عورت تھی...... وہ بہت تنگ دستی کی زندگی گزار رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر رحم فرمایا اور اس خاتون کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس

بچے کا نام شمویل رکھا گیا۔آپ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے تھے۔

شمویل دراصل عبرانی زبان کا لفظ اشمویل ہے جو بعد میں شمویل بن گیا۔عربی میں اس کا ترجمہ اسمٰعیل ہے۔

شمویل بڑے ہوئے تو قاضی بن گئے۔ان کی نیک نامی کی وجہ سے اس پریشان قوم نے ان سے کہا:

''آپ ہمارا کوئی بادشاہ مقرر کردیں۔''

آپ بنی اسرائیل کی عادات سے واقف تھے۔اس لیے آپ نے فرمایا:''اگر میں نے کوئی بادشاہ مقرر کردیا اور تم نے اس کا حکم نہ مانا تو کیا ہوگا؟ کیونکہ یہ ابھی کل کی بات ہے کہ اللہ نے جہاد کا حکم دیا تھا تو تم نے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا تھا۔حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانے میں تم لوگ موت سے ڈر کر شہر سے پہاڑ پر چلے گئے تھے......اس کی یہ سزا ملی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر موت طاری کردی تھی۔''

حضرت شمویل علیہ السلام کی بات سن کر بنی اسرائیل نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''ہم بہت ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں۔کب تک ایسی زندگی گزاریں گے......آپ اطمینان رکھیں،اگر ہمیں جہاد کا حکم ملا تو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے......جم کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔''

جب انہوں نے پختہ وعدہ کرلیا اور بادشاہ مقرر کرنے پر بہت زور دیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی۔اللہ تعالیٰ نے درخواست منظور کرلی اور انہی میں سے طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا۔طالوت جسم کے لحاظ سے بھی اور علم کے لحاظ سے بھی ایک مشہور شخص تھا۔

طالوت کا نام سنتے ہی ان لوگوں کا رنگ بدل گیا......یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی وہ کیا وعدہ کرچکے ہیں......اور کہنے لگے:

''یہ تو غریب ہے،یہ کیا حکومت کرے گا؟ آپ کو چاہیے تھا،ہم میں سے کسی مال دار آدمی کو بادشاہ بناتے۔''

اس پر شمویل علیہ السلام نے فرمایا:

''میں تو تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے تم پر کسی کو بادشاہ مقرر کر دیا تو تم اس کی مخالفت کرو گے اور یہی ہوا...... اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو پسند فرمایا ہے...... اسے علم بھی دیا ہے اور قد وقامت بھی۔ اللہ جسے چاہتا ہے، سلطنت عطا فرماتا ہے...... اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے۔''

اب بھی وہ قوم اپنی خودسری سے باز نہ آئی اور کہنے لگی:

''اگر آپ نے اللہ کے حکم سے اسے بادشاہ بنایا ہو تو اس کی صداقت کے لیے ہمیں کوئی نشانی دکھائیں۔''

حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا:

''طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کے لیے سکون کا سامان ہوگا...... اور اس میں کچھ وہ چیزیں بھی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام چھوڑ گئے تھے۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً اس صندوق کے آنے میں تم لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔

تابوتِ سکینہ کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ یہ ایک ایسا صندوق تھا جس میں تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ دشمن سے جنگ کے وقت یہ صندوق ساتھ رکھتے تھے تو انہیں سکون رہتا تھا...... اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابلے میں کامیابی عطا فرماتے تھے۔

جالوت نے جب بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کیا تھا تو یہ صندوق بھی ساتھ لے لیا تھا...... اسی لیے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔

اب جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ وہ صندوق پھر سے بنی اسرائیل کو مل جائے تو اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ کافر لوگ اس صندوق کو جہاں رکھتے، وہاں وبا پھوٹ پڑتی، اس طرح دشمنوں کے پانچ شہر وبا کی وجہ سے خالی ہو گئے۔ اب کافر لوگ اس صندوق

کو منحوس خیال کرنے لگے۔ ان کے دلوں میں اس کی نفرت بیٹھ گئی۔ تنگ آ کر انہوں نے اسے دو بیلوں پر لادا اور انہیں دھکا دیتے ہوئے طالوت کے گھر کے دروازے تک پہنچا گئے۔ بنی اسرائیل نے اس صندوق کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت کو قبول کر لیا۔

اب طالوت نے جالوت سے جنگ کی تیاری شروع کر دی...... ایسے میں انہیں خیال آیا کہ جنگ بہادر آدمی لڑ سکتا ہے...... جب وہ جان کی بازی لگا کر لڑتے ہیں تو تب اسے فتح کی صورت نظر آتی ہے۔ لڑنے والے بزدل ہوں، یا منافق ہوں تو چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، شکست ہو جاتی ہے۔ اس لیے طالوت نے سوچا، جنگ سے پہلے ان لوگوں کا امتحان لے لیا جائے، امتحان میں جو لوگ کامیاب ہوں گے، انہیں ساتھ لے لیا جائے گا۔

آخر میں طالوت حملہ کرنے کے لیے نکلے، موسم بہت گرم تھا...... انہوں نے لشکر سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جو لڑنا چاہے وہ ہمارے ساتھ چلے، ورنہ ہمیں ضرورت نہیں۔ اس طرح اسّی ہزار آدمی آپ کے ساتھ ہو گئے۔

اب طالوت نے ان کا امتحان لیا اور ان سے کہا:

''ہمارے سامنے ایک نہر ہے...... تم اس نہر سے پانی نہ پینا...... جو پانی نہیں پیے گا، وہ ہمارے ساتھ چلے گا اور جو پی لے گا...... ہم اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے...... ہاں چلّو بھر پانی پینے کی اجازت ہے۔''

اس واضح حکم کے باوجود بہت تھوڑے سے آدمیوں نے چلّو بھر پانی پیا، باقی لشکر نے بے صبری کا مظاہرہ کیا اور خوب پانی پیا۔

اب جن لوگوں نے چلّو بھر پانی پیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تو پیاس بجھا دی اور جنہوں نے خوب پیا تھا...... ان کی پیاس بڑھتی چلی گئی اور ان کے لیے آگے چلنا مشکل ہو گیا، انہوں نے صاف کہہ دیا:

''ہم میں جالوت سے مقابلے کی طاقت نہیں۔''

اس طرح وہ لوگ لشکر سے الگ ہو گئے۔ اگر میدانِ جنگ میں بزدلی دکھاتے تو ان کی بزدلی کا اثر مجاہدین پر پڑتا۔ اسی لیے طالوت نے امتحان لیا تھا۔

اب طالوت کے ساتھ صرف 313 آدمی رہ گئے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت پرخلوص انداز میں دعا کی:

''اے ہمارے پروردگار! جتنا صبر ہے، سب ہمارے دلوں میں ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور اس کافر قوم پر ہمیں غالب کرنے میں ہماری مدد کر۔''

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے تو جالوت میدان میں نکلا اور للکارا:

''ہے کوئی بہادر جو میرے مقابلے پر آئے۔''

جب کوئی نہ نکلا تو طالوت کو بہت رنج ہوا۔ اسرائیلیوں کی بزدلی گویا باقی تھی۔ جالوت کا قد چھ ہاتھ سے بھی زیادہ تھا۔ وہ پیتل کی زرہ اور خول پہنے ہوئے تھا، اسرائیلی اس کی بہادری کے قصے سن سن کر اس سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اس لیے کسی نے اس کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کی۔

آخر طالوت نے اعلان کیا:

''جو بہادر آگے بڑھ کر جالوت کو قتل کرے گا، میں اپنی آدھی سلطنت اسے دے دوں گا اور شہزادی سے اس کا نکاح کر دوں گا۔''

یہ اعلان سن کر کئی آدمی میدان میں نکلے لیکن جب اس پر نگاہ پڑتی تو واپس لوٹ آتے۔

طالوت کے لشکر میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے (جنہیں بعد میں نبوت ملی) ان کے چھ بھائی بھی شامل تھے۔ آپ سب بھائیوں سے چھوٹے تھے......اور جنگ میں شریک تھے۔ والد نے اسرائیلیوں اور اپنے بیٹوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے ساتھ بھیج دیا تھا۔ راستے میں آپ کو تین پتھر پڑے ملے۔ اللہ کے حکم سے ان پتھروں نے داؤد علیہ السلام سے کہا:

''اے داؤد! تو ہمیں اٹھا لے، ہم جالوت کو قتل کر دیں گے۔''

آپ نے وہ پتھر اٹھا لیے اور میدان میں پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ جالوت کے مقابلے میں کوئی اسرائیلی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے طالوت سے لڑائی کی اجازت مانگی، انہوں نے کہا:

''تم کم عمر ہو، ناتجربہ کار ہو،...... اس لیے تم نہ جاؤ۔''

آپ نے کہا:

''نہیں! آپ ہی مجھے اجازت دے دیں۔''

آخر آپ کو اجازت مل گئی، آپ آگے بڑھے اور جالوت کے ساتھ جا کھڑے ہوئے...... اس نے آپ کو بچہ سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دی، کہنے لگا:

''کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔''

آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ پتھر اسے اٹھا کر دے مارے...... اس کا سر پاش پاش ہو گیا...... اس کے مرتے ہی جنگ کا پاسہ پلٹ گیا، جالوت کے ایک لاکھ فوجی میدان سے بھاگ نکلے۔

طالوت حضرت داؤد علیہ السلام کے اس کارنامے سے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے شہزادی کی شادی آپ سے کر دی اور آپ کو حکومت میں شامل کر لیا۔

سیدنا داؤد علیہ السلام

آپ بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے مشہور نبی ہیں۔ آپ نے چونکہ بچپن میں جالوت کو قتل کیا تھا، اس لیے آپ کی بہادری کو دیکھ کر بنی اسرائیل آپ کو بہت پسند کرنے لگے تھے۔ پھر حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آ گئی...... اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور زیادہ انعام یہ فرمایا کہ آپ کو نبوت عطا کر دی، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت بھی دی اور بادشاہت بھی۔

آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خصوصیات عطا فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''نمازوں میں سب سے پیاری نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں سب سے پیارے روزے بھی داؤد علیہ السلام کے تھے۔ نمازوں میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آدھی رات سوتے پھر تہائی رات اللہ کی عبادت کرتے اور پھر آخری رات کے کچھ حصے میں آرام فرماتے۔ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے۔'' (بخاری و مسلم)

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''داؤد علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کو جگا دیتے اور فرماتے، اے آلِ داؤد! اٹھو اور نماز

پڑھو۔ کیونکہ یہ وقت بہت مقبول ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع ہونے والوں کی دعا قبول فرماتے ہیں، سوائے جادوگر اور ظلم سے عشر وصول کرنے والے شخص کے۔"

اللہ تعالیٰ نے بھی داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں حکمران بنایا ہے۔ سو تو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کر اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چل کہ وہ خواہش تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔"

آپ کی سلطنت کا علاقہ شام، عراق، فلسطین، شرقِ اردن اور خلیج عقبہ سے لے کر فرات تک تھا۔ آپ ایک دن اللہ کی عبادت کرتے، ایک دن دربار میں بیٹھتے، مقدمات کے فیصلے کرتے اور ایک دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ گزارتے۔ مطلب یہ کہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کا برابر خیال رکھتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے توراۃ نازل فرمائی تھی...... حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جو نبی آتے رہے، وہ توراۃ کی تعلیم پر عمل کراتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لیے زبور کی تلاوت اور اس کے ترانے اتنے ہلکے اور آسان کر دیے تھے کہ آپ اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دینے اور سواری پر زین کس جانے سے پہلے پہلے زبور ختم کر لیتے تھے۔" (بخاری)

یہ بھی آپ کا ایک معجزہ تھا، زبور میں اللہ کی حمد وثنا تھی اور انسانوں کی بندگی کے متعلق مضامین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے زبور میں یہ بھی لکھا تھا:

"اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے

بندے ہوں گے۔'' (پ 17 ع 7)

اس آیت میں دراصل مسلمانوں کے عروج کی بشارت دی گئی ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں یہ بشارت پوری ہوئی، آج کے مسلمان بھی اگر خلفائے راشدین کی طرح اللہ کی کتاب اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنا لیں تو اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر سکتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کی آواز اس قدر پیاری تھی اور آپ کا زبور پڑھنے کا انداز اس قدر دل کش تھا کہ پہاڑ تک وجد میں آجاتے تھے۔ پرندے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے......اور جمع ہو کر اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگتے تھے۔

اگرچہ آپ سلطنت کے مالک تھے، اس کے باوجود اپنے ہاتھوں سے لوہے کی زرہیں بنا کر فروخت کرتے تھے اور اپنی گزر بسر اس آمدنی سے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو آپ کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم کر دیا تھا...... آپ لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ سکتے تھے......مطلب یہ کہ آپ کو لوہا بھٹی میں گرم نہیں کرنا پڑتا تھا، آپ ایسی زرہیں بناتے تھے کہ ان کو پہن کر سپاہی میدان جنگ میں دشمن سے جنگ کرتے تھے۔

آپ کے زمانے میں بحرِ قلزم کے کنارے، مدین اور کوہِ طور کے درمیان ایک شہر ''ایلہ'' تھا۔ اس شہر کے لوگ دریا قریب ہونے کی وجہ سے مچھلی کے شکار کے عادی تھے، یہ لوگ یہودی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتے کے دن مچھلی کا شکار حرام قرار دے دیا تھا......ان لوگوں کو نافرمانی کی عادت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ آزمائش آئی کہ ہفتے کے دن دریا میں مچھلیوں کی اتنی کثرت ہونے لگی کہ دریا کی سطح پر تیرتی نظر آتیں۔ باقی دنوں میں غائب رہتیں، ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا، اللہ کے صاف حکم کے باوجود حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے اور حوض بنا لیے۔ ان حوضوں میں ہفتے کے دن مچھلیاں تیر کر آجاتیں، اس کے بعد واپس جانے کا راستہ بند کر دیتے۔ اگلے دن ان کو پکڑ لیتے، اس

طرح وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے ہفتے کے دن شکار نہیں کھیلا۔

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جنہوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو ایک آدھ مرتبہ منع کر کے بیٹھ گئے، اور کچھ ایسے تھے جو نہ منع کرتے تھے، نہ خود شکار کھیلتے تھے۔

جو منع کرنے والے تھے، انہوں نے شکار کھیلنے والوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا...... ان سے الگ رہنے لگے...... ایک دن انہوں نے ان کی آوازیں نہ سنیں...... تو ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے رکے...... انہوں نے دیکھا کہ اب ہر گھر میں انسانوں کی بجائے بندر تھے...... ان کے اس جرم پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا تھا...... جب یہ لوگ ان بندروں کے پاس پہنچے تو وہ اپنے سر ان کے پیروں پر رکھ کر رونے لگے...... اور تین دن میں مر گئے۔

داؤد علیہ السلام نے ایک روز اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''اے پروردگار! دن اور رات میں ایک گھڑی بھی ایسی نہیں گزرتی کہ میں یا میری آل میں سے کوئی شخص تیری عبادت میں مشغول نہ ہو۔''

اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر کا یہ فخریہ انداز پسند نہ آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی:

''اے داؤد! یہ جو کچھ بھی ہے، صرف ہماری رعایت اور ہمارے فضل و کرم کی وجہ سے ہے، ورنہ تم میں اور تمہاری اولاد میں یہ قدرت کہاں کہ وہ اس نظم پر قائم رہ سکیں اور اب جبکہ تم نے دعویٰ کیا ہے تو میں تمہیں آزمائش میں ڈالوں گا۔''

حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سن کر عرض کیا:

''اے پروردگار! جب ایسا ہو تو مجھے پہلے سے اطلاع دے دی جائے۔''

آزمائش کے اس معاملے میں داؤد علیہ السلام کی یہ دعا قبول نہیں کی گئی۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن آپ معمول کے مطابق عبادت میں مشغول تھے کہ دو آدمی دیوار پھاند کر اچانک اندر آ گئے۔ اس سے آپ کی عبادت میں خلل پڑ گیا۔ اس قدر انتظامات کے باوجود ان دونوں کے اندر گھس آنے پر آپ گھبرا گئے...... کیونکہ دروازوں پر پہرے دار موجود تھے اور

دیواریں بہت اونچی تھیں...... ادھر وہ دونوں کہنے لگے:

''آپ ڈریں نہیں...... ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے...... ہم اس کا فیصلہ آپ سے کرانا چاہتے ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ سو آپ ہم سے انصاف کریں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھائیں۔ یہ شخص میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں...... اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ میں اپنی ایک دنبی بھی اسے دے دوں تاکہ اس کی سو پوری ہو جائیں...... یہ طاقت میں بھی مجھ سے زیادہ ہے...... بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے...... اور لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں...... غرض میرا حق چھیننے کے لیے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔''

چونکہ آپ نبی تھے، اس لیے آپ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ آپ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے۔ سو وہ یہ سمجھتے ہی اپنے رب سے معافی طلب کرنے لگے...... اور سجدے میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا۔

یعنی اس واقعے میں آپ کو یہ احساس ہوا تھا کہ ان دو آدمیوں کا دیوار پھاند کر اندر آنا، میری تنہائی کی عبادت میں خلل ڈالنا، یہ قدرت کی طرف سے امتحان تھا۔

آپ نے تقریباً 35 سال تک حکومت کی، آپ سے پہلے کبھی کسی نے ایسی حکومت نہیں کی، آپ نے 100 سال کے قریب عمر پائی۔

آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ پرندے آپ کے گرد جمع تھے، اچانک موت کا وقت آ پہنچا۔ آپ کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

سیدنا سلیمان علیہ السلام

آپ سیدنا داؤد علیہ السلام کے فرزند ہیں، آپ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے اور ذہانت کے آثار آپ میں صاف نظر آتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کبھی کبھی آپ سے کسی مقدمے میں مشورہ لے لیتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 13 سال تھی۔

تخت نشین ہونے کے چار سال بعد آپ نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا کام شروع کرادیا۔ اور یہ کام جنات سے لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ سلطنت بھی دی تھی...... اور سلطنت بھی ایسی کہ آج تک ویسی سلطنت کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی...... اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک نصیب ہوگی...... نبوت اور سلطنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور بھی خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ جانور آپ کے فرماں بردار تھے، جو خدمت چاہتے آپ ان سے لے لیتے تھے۔ اسی طرح ہواؤں پر بھی آپ کو اختیار دیا گیا تھا، ہوا آپ کو اڑا کر یمن سے شام اور شام سے یمن لے آیا کرتی تھی۔ ایک مہینے کا سفر آدھے دن میں طے کرلیا کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنات کو آپ کے تابع کردیا تھا۔ بڑے سے بڑا جن آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ آپ ان جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ مثلاً سمندر کی تہہ میں غوطہ لگوا کر اس میں

سے قیمتی موتی نکلوا لیتے تھے۔ ان سے بڑے بڑے محلات اور قلعے تعمیر کرا لیتے تھے۔ عبادت گاہیں تعمیر کرا لیتے تھے۔ بیت المقدس کی تعمیر بھی آپ نے جنات سے کرائی۔ قرآنِ کریم میں آپ کا ذکر سولہ جگہ آیا ہے۔

آپ کے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ دو عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کو لیے جنگل میں سفر کر رہی تھیں۔ ایک کا بچہ بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ دوسری کا بچ گیا، اس پر دونوں عورتیں جھگڑ پڑیں۔ ایک کہتی تھی، یہ بچہ اس کا ہے، دوسری کہتی تھی...... بچہ اس کا ہے۔

اپنا مقدمہ لے کر دونوں عورتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ بڑی کے حق میں دے دیا۔ فیصلہ آپ نے اس لیے دیا کہ بچہ اسی کے قبضے میں تھا۔ چھوٹی عورت کوئی دلیل پیش نہ کر سکی۔ جب دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزریں تو آپ نے بھی مقدمے کی تفصیل پوچھی، تفصیل سن کر آپ نے ایک چھری منگائی اور فرمایا:

"اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا جائے۔"

یہ فیصلہ سن کر بڑی عورت تو خاموش رہی، چھوٹی چلا اٹھی:

"نہیں، نہیں! بچے کے ٹکڑے نہ کریں...... میں اپنے بچے سے اس کے حق میں دستبردار ہوتی ہوں۔"

چھوٹی کے یہ کہتے ہی آپ جان گئے کہ بچہ دراصل اس کا ہی ہے۔ آپ نے بچہ اسے دے دیا۔ اس واقعہ سے آپ کی سمجھ بوجھ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

"اے میرے رب! میرا قصور معاف کر دے، اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے علاوہ کسی اور کے لیے مناسب نہ ہو۔ بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ہوا اور جنات تک آپ کے تابع کر دیے گئے۔ آپ نے اپنے لیے ایک تخت بنوایا تھا۔ آپ اس پر بیٹھ جاتے، آپ کے

ساتھ آپ کے اہلِ ایمان بیٹھ جاتے...... ضرورت کا سامان اس پر رکھ لیا جاتا پھر وہ تخت ہوائی جہاز کی طرح اڑتا اور جہاں جانے کا حکم اسے دیا جاتا، وہ آپ کو وہاں لے جاتا۔

اس تخت پر بے شمار کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ انسانوں کے ساتھ ان پر ایمان والے جن بھی بیٹھتے تھے۔ پھر پرندوں کو حکم ہوتا تھا کہ وہ اس پورے تخت پر اپنے پروں سے سایہ کریں تا کہ دھوپ کی تپش سے تکلیف نہ ہو۔

اس ہوائی سفر کے دوران حضرت سلیمان علیہ السلام سر جھکائے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض جنات کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ آپ انہیں حکم دیتے تو وہ سمندر کی تہہ سے موتی تک نکال لاتے۔ آپ کے لیے بڑی بڑی عمارتیں تیار کرتے۔ ان عمارتوں میں پگھلا ہوا تانبہ استعمال کیا جاتا...... اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عمارتیں کس قدر مضبوط ہوتی ہوں گی...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ایک پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔''

تانبے کے چشمے یمن میں تھے۔ جنات ان سے بڑے برتن بناتے تھے۔ وہ اتنے بڑے ہوتے تھے کہ پورے لشکر کا کھانا ان میں تیار کیا جاتا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں کی بولیاں سکھا دیں تھیں۔ آپ ان کی زبانیں سمجھتے تھے...... آپ کے لشکر میں انسانوں کے ساتھ جنات اور جانور بھی شامل ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں جا رہے تھے...... ایک روایت کہ مطابق ملک میں قحط پڑ گیا تھا۔ آپ اپنی فوج کو دعا کے لیے لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ایسی جگہ سے گزر ہوا، جہاں چیونٹیوں کی آبادی تھی۔ قرآن کریم نے اس وادی کو وادیٔ نمل فرمایا ہے۔ آپ کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی، وہ اپنے اگلے قدم اٹھائے آسمان کی طرف رخ کیے کہہ رہی تھی:

''اے اللہ! ہم بھی آپ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، اور آپ کے فضل کے

محتاج ہیں، ہمیں بارش سے محروم رکھ کر ہلاک نہ کر۔"

چیونٹی کی دعا سن کر آپ نے اپنے لشکر سے فرمایا:

"واپس چلو! ایک چیونٹی کی دعا نے ہمارا کام کر دیا، اب تمہاری طلب کے بغیر ہی بارش ہوگی۔"

ایک مرتبہ آپ اپنے لشکر کو لے کر چلے تو ایک جنگل سے گزرے، وہاں چیونٹیوں کی بستی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر ایک چیونٹی بولی:

"اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں کچل دے اور انہیں علم بھی نہ ہو۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سن کر ہنس پڑے، آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چیونٹی تک کی بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی...... قرآنِ کریم میں آپ کی دعا کے الفاظ اس طرح آتے ہیں۔

"اے میرے رب! مجھے اس بات پر قائم رکھیے کہ میں آپ کے ان احسانات کا شکر ادا کرتا رہوں جو آپ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن کو آپ پسند کرتے ہیں اور مجھے نیک بندوں میں شامل رکھیے۔"

آپ پرندوں سے بھی کام لیتے تھے۔ آپ ہدہد نام کے پرندے سے کام لیتے تھے کہ جاؤ معلوم کرو، زمین کے کس حصے میں پانی ہے؟ اس سے ہوا کی ڈاک کا کام بھی لیتے تھے۔ اس طرح کسی جگہ ٹھہرنے سے پہلے ہدہد کے ذریعے معلوم کراتے تھے کہ وہاں پانی وغیرہ ہے یا نہیں۔ ایک روز آپ نے کسی ضرورت کے لیے اپنے پرندوں کی فوج کا جائزہ لیا تو ہدہد نظر نہ آیا۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا۔ وہ کہاں غائب ہے۔ میں اسے سخت سزا دوں گا...... یا اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان نہ کی تو اسے ذبح کر دوں گا۔"

ابھی آپ ہدہد کی غیر حاضری پر ناراضی کا اظہار کر رہے تھے کہ اتنے میں ہدہد آ کر

حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا:

''میں ایک ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر نہیں، اس خبر کا تعلق قبیلہ سبا سے ہے۔''

ملک سبا یمن کے علاقے میں تھا۔ اس کے دارالخلافہ کا نام مآرب تھا۔ ہدہد نے مزید بتایا:

''میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا ہے۔ وہ وہاں کے لوگوں پر حکومت کرتی ہے۔ اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک بہت بڑا تخت بھی ہے۔

مطلب یہ تھا کہ وہ اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتی ہے۔ اس کے تخت میں ہیرے جواہرات جڑے ہیں...... اتنا قیمتی تخت کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہوگا۔''

سبا کے علاقے میں دو طرفہ باغات تھے اور ان کا سلسلہ 300 مربع میل تک چلا گیا تھا۔ یہ سارا رقبہ خوشبودار اور طرح طرح کے لذیذ پھلوں سے لدا ہوا تھا۔

ہدہد نے یہ بھی بتایا:

''اور میں نے اس عورت کو اور اس کی رعایا کو دیکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوش نظر بنادیا ہے۔ انہیں سیدھے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ اس لیے وہ راہِ حق نہیں پاتے، یہاں تک کہ وہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی باتیں سن کر فرمایا:

''ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا یا جھوٹ۔''

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس ملکہ کے نام ایک خط لکھا اور ہدہد سے فرمایا:

''جا! میرا یہ خط لے جا۔ اور اس خط کو اس کے پاس ڈال دے۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ جا، اور دیکھتا رہ کہ وہ کیا بات چیت کرتے ہیں۔''

ہدہد خط لے کر اڑا اور اس ملک میں پہنچا۔ وہ ایک سوراخ میں سے اترا اور داخل ہو کر

خط ملکہ کے سینے پر رکھ دیا۔ بلقیس نے خط پڑھا اور اپنے درباریوں سے بولی:

''اے اہلِ دربار! مجھے ایک خط موصول ہوا ہے۔ وہ خط میرے پاس عجیب طریقے سے آیا ہے اور یہ خط بہت ہی محترم شخصیت شاہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے۔''

ملکہ بلقیس شاید آپ کے بارے میں پہلے ہی سن چکی تھی...... اس لیے اس نے آپ کے خط کو عزت دی۔

سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ کے خط میں اسے اس بات کا اشارہ تھا کہ اگر میرے مقابلے میں طاقت کا مظاہرہ کروگی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ خیریت چاہتی ہو تو اسلام قبول کرلو...... اور میرے پاس چلی آؤ۔

ملکہ بلقیس نے خط پڑھ کر اگرچہ جان لیا تھا کہ خط لکھنے والی ہستی کون ہے...... اس کا کیا مقام ہے...... اس کی بادشاہت ہاتھ سے جاتی تھی۔ اس لیے آپ کے خط سے پریشان بھی ہوئی...... پھر درباریوں سے بولی:

''اے اہلِ دربار! تم اس بارے میں مجھے مشورہ دو میں اس وقت کسی بات کا کوئی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک تم میرے پاس نہ ہو۔''

اس کی بات سن کر درباریوں نے کہا:

''ہم پوری طرح طاقت ور ہیں، سخت جنگ کرنے والے ہیں، حکم کا اختیار آپ کے پاس ہے، اب آپ دیکھ لیں...... ہمیں کیا حکم دینا ہے۔''

ان کی بات کے جواب میں بلقیس نے کہا:

''بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کرڈالتے ہیں اور وہاں کے عزت دار باشندوں کو ذلیل کردیا کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔''

پھر اس نے کہا:

''ہم ایسا کرتے ہیں کہ کچھ تحفے تحائف بھیج کر دیکھ لیتے ہیں، شاید اس طرح ہم جنگ سے بچ سکیں۔''

اس طرح ملکہ بلقیس نے بڑے بڑے قیمتی جواہرات، گھوڑے، خوبصورت باندیاں اور بے شمار چیزیں اپنے ایلچی کے ہاتھ بھجوائیں۔

سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کی بارش کر رکھی تھی...... آپ کی نظروں میں یہ تحفے کیا حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے اسے جواب لکھوایا:

''کیا تم لوگ مال اور دولت سے میری امداد کرنا چاہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو تحفے دیے جائیں تو تم اس سے خوش ہوا کرتے ہو۔''

مطلب یہ تھا کہ یہ تحفے تمہیں مبارک ہوں، کیا تم نے مجھے دنیاوی بادشاہ سمجھا ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی اور مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے ملک اور دولت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اس کے بعد آپ نے بلقیس کے ایلچی سے فرمایا:

''اے ایلچی تو انہیں اہلِ سبا کی طرف واپس لے جا۔ اب ہم ان پر ایک ایسا لشکر لے کر پہنچتے ہیں کہ جس کا ان سے مقابلہ نہیں ہو سکے گا اور ہم انہیں شہر میں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ ذلیل ہوں گے۔''

آپ نے بلقیس کے تحفے بھی واپس کر دیے۔ بلقیس کے پاس تحفے واپس پہنچے اور آپ کا پیغام اس نے سنا تو سمجھ گئی کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں۔ اور آپ سے جنگ کا ارادہ خام خیالی ہے، لہٰذا فوراً اپنے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے آپ کی طرف روانہ ہوئی۔

ادھر آپ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لوگوں سے فرمایا:

''اے اہلِ دربار! کوئی تم میں سے ایسا بھی ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ لوگ تابع ہو کر میرے پاس آئیں، بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے۔''

دربار میں موجود جنات میں سے ایک جن نے کہا:

''اس سے پہلے کہ آپ اپنے اس اجلاس سے اٹھیں، میں اس کے تخت کو آپ کے پاس

لے آؤں گا، اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ میں اس تخت کو اٹھا لانے کی طاقت ہے...... اور میں قابلِ اعتماد ہوں۔"

اس پر ایک اور جن نے کہا:

"میں اس تخت کو آپ کی خدمت میں پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کیے دیتا ہوں۔"

اس جن کے پاس کتاب کا علم تھا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے سامنے پایا...... تو بولے:

"یہ میرے رب کا ایک فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو شخص ناشکری کرتا ہے، تو میرا رب بے پروا اور کرم کرنے والا ہے۔"

تفاسیر کی کتابوں میں تختِ بلقیس اٹھا کر لانے والے جن کا نام آصف برخیا آیا ہے۔ یہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے۔

آپ نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ یہ قوم سورج کو پوجنا چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرنے لگیں۔ آپ نے ملکہ بلقیس سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اپنے دربار میں عزت سے بٹھایا۔ کسی ملک کے سربراہ کی طرح اس کا استقبال کیا۔ پھر ملکہ بلقیس نے آپ کی فوجوں میں جنات اور پرندوں کو دیکھا۔ اس نے ایسا نظارہ پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ ان تمام باتوں سے وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی سابقہ زندگی پر افسوس کرنے لگی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کی وجہ سے بیت المقدس میں آبادی شروع ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور آیا تو آپ نے اس مسجد کو نئے سرے سے بنوایا اور اس کے گرد شہر بھی نئے سرے سے بنوایا...... چونکہ جنات آپ کے تابع تھے، اس لیے یہ کام آپ نے جنوں سے لیا۔

اس طرح ایک ایسی عظیم الشان مسجد وجود میں آئی کہ آج بھی لوگ اسے دیکھ کر حیران

ہوتے ہیں۔لوگ اس بات کو نہیں سمجھ پاتے کہ اتنے بڑے بڑے دیو پیکر پتھر کہاں سے لائے گئے۔کیسے لائے گئے اور وہ کون سے آلات تھے جن کے ذریعے ان کو اس قدر بلندی پر پہنچا کر آپس میں جوڑا گیا۔

ایک روز آپ نے قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے ملاقات کروں گا۔ آپ کی بہت سی بیویاں تھیں۔آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری ہر بیوی کے ہاں اولاد ہو گی جو راہِ خدا میں جہاد کرے گی مگر آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔اللہ کی قدرت کہ کسی ایک بیوی کے ہاں بھی بچہ نہ ہوا۔اس وقت آپ کو ندامت محسوس ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی ہر بیوی کے ہاں بچہ ہوتا۔''

بنی اسرائیل نے آپ کے ساتھ بھی زیادتی کی......وہ کہتے تھے،سلیمان علیہ السلام نبی نہیں،جادوگر ہیں۔(معاذ اللہ)

اور پھر آپ کی وفات کا وقت آپہنچا۔آپ نے جنات کے ذریعے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرا رکھی تھی۔ایسے میں آپ کو اپنی موت کا وقت قریب معلوم ہوا تو سوچا،اس طرح مسجدِ اقصیٰ نامکمل رہ جائے گی......کیونکہ ان کی موت کے بعد جنات کام روک دیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مسجد کا ایک نقشہ بنا کر جنات کے حوالے کر دیں۔وہ اس کے مطابق مسجد بناتے رہیں گے۔

آپ نے ایسا ہی کیا،نقشہ بنا کر جنات کے سپرد کیا،خود ایک شیشے کے مکان میں بند ہو کر عبادت کرنے لگے،جنات آپ کو دیکھتے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیشے کے مکان سے انہیں دیکھ رہے ہیں۔آپ عبادت میں مصروف تھے کہ ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی۔وفات کے وقت آپ لکڑی کے سہارے کھڑے تھے، اس لکڑی کے سہارے آپ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

اب جنات غیب کی خبر کیا جانیں،انہیں پتا بھی نہ چلا کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔اسی

لیے بدستور مسجد تعمیر کرتے رہے۔ اگر پتا چل جاتا تو تعمیر کا کام نامکمل رہ جاتا، آپ جس لکڑی کے سہارے کھڑے تھے، اسے دیمک لگ گئی...... لکڑی ٹوٹ گئی اور آپ کا جسم مبارک گر گیا، تب جنات کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تو بہت پہلے وفات ہو چکی ہے۔

آپ کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تقریباً 1546 سال پہلے ہوئی۔ آپ کی وفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنات وغیرہ جو آپ کے تابع تھے، وہ آپ کا کسبی کمال نہیں تھا، سب اللہ کا فضل تھا...... آپ کی وفات کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کا انعام رہا...... ایک سال تک آپ کے جسم میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا کام جاری رہا۔ (تصاویر کے لیے دیکھیں کتاب: نقوش تاریخ اسلامی)

آپ نے چالیس سال تک شاہی دبدبے کے ساتھ حکومت کی۔ جب آپ کا کام ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدنا یونس علیہ السلام

آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور جلیل القدر نبی ہیں، آپ کا شمار بھی انبیاء بنی اسرائیل میں ہوتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔

آپ کے والد کا نام متّیٰ تھا، سورہ انبیاء میں آپ کو ذوالنون یعنی مچھلی والا کہہ کر پکارا گیا۔ اور سورہ قلم میں صاحبِ الحُوتِ، لقب بیان ہوا ہے۔ سورہ نساء اور سورہ انعام میں دوسرے انبیاء کے ساتھ آپ کا نام آیا ہے۔

آپ عراق کے شہر نینوا میں پیدا ہوئے، اسی شہر والوں کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔

آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تقریباً آٹھ سو سال بعد کا ہے۔ نینوا کے باشندے بہت دولت مند تھے...... دولت کی زیادتی کے جو اثرات ہوتے ہیں، وہ اس قوم میں بھی آگئے...... دین سے دور ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے سرکشی پر اتر آئے...... مطلب یہ کہ ایسی سبھی بیماریاں ان میں پیدا ہو گئیں۔

نبوت ملنے پر آپ نے قوم کو شرک سے روکا، اس کی برائیاں ان کے سامنے بیان فرمائیں مگر آپ کی قوم سدھرنے کی بجائے شرک کی دلدل میں اور زیادہ دھنستی چلی گئی۔

آپ نے تبلیغ کی مگر قوم نے آپ کی بات نہ مانی اور آپ کی دشمن بن گئی۔

نینوا کی آبادی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ آپ قوم کو سمجھاتے رہے، شرک سے روکتے رہے مگر قوم نہ مانی، آپ کا مذاق اڑانے لگی۔ اس کے باوجود بھی آپ انہیں تبلیغ کرتے رہے۔

آخر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

''آپ اب اس قوم کو بتادیں کہ اگر بات نہیں مانتے تو نہ مانو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے۔ اب بھی وقت ہے اپنی اصلاح کرلو۔''

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے جب آپ کی زبان مبارک سے عذاب کی بات سنی تو ان میں ہلچل مچ گئی...... آپس میں کہنے لگے:

''ہم سے پہلے قوم لوط اور قوم ثمود وغیرہ کو ان کے انبیاء نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا، تو وہ قومیں ہلاک کردی گئیں۔ یونس (علیہ السلام) کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اب کیا کیا جائے؟ آخر انہوں نے طے کیا کہ یونس علیہ السلام کو آج رات دیکھو، یہ یہیں رہتے ہیں یا چلے جاتے ہیں۔ اگر شہر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو سمجھ لو، عذاب آئے گا...... ادھر یونس علیہ السلام شہر چھوڑ کر چلے گئے۔

صبح ہوتے ہی آسمان پر دھوئیں کے سیاہ بادلوں نے اس طرح سایہ کیا کہ لوگ اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔ بے قرار ہو گئے۔ ان کی حالت وہ ہوگئی جو قرآنِ کریم نے بیان کی ہے:

''پھر جب یہ لوگ کسی کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اللہ ہی پر اعتقاد رکھ کر اسے پکارنے لگتے ہیں۔''

جب انہوں نے سیاہ بادلوں کو منڈلاتے دیکھا تو ان کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ انہیں حضرت یونس علیہ السلام کی باتیں یاد آنے لگیں۔ انہوں نے سوچا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کر کے ان کے ہاتھ پر توبہ کر لیتے ہیں اور ان پر ایمان لے آتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی تلاش شروع کردی...... لیکن ناکام رہے۔ اب انہیں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو،

ہم انہیں تلاش کرتے رہیں اور اللہ کا عذاب ہمیں ختم کر دے اور ہم دنیا والوں کے لیے پہلی قوموں کی طرح عبرت کا نشان بن جائیں۔

یہ سوچ کر پوری قوم اپنے جانوروں تک کو ساتھ لے کر باہر میدان میں آ گئی۔ یہاں تک کہ ماؤں نے اپنے دودھ پیتے بچوں کو اپنے سے الگ کر لیا تا کہ وہ بھی روئیں اور چلائیں اور اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ جائے اور انہیں اپنے گناہوں کی معافی مل جائے۔

اس حالت میں انہوں نے توبہ کرنی شروع کی اور کہنے لگے:

''اے ہمارے رب! یونس علیہ السلام ہمارے پاس آپ کا جو پیغام لائے تھے، ہم اس پر دل اور جان سے ایمان لاتے ہیں۔''

قرآنِ کریم نے اس قوم کے توبہ کرنے کو ایک بالکل الگ واقعہ قرار دیا ہے۔ یعنی عذاب کے آثار کو دیکھ کر توبہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کا ان کی توبہ قبول کرنا، یہ انوکھا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب ہٹا لیا۔ اس لحاظ سے وہ خوش قسمت قوم تھی۔ ان سے پہلے کسی علاقے کے لوگ ایسے نہیں تھے جنہوں نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی ہو...... حضرت یونس علیہ السلام نے سات سال تک اس قوم کو تبلیغ کی تھی...... اور وہ آپ کو جھٹلاتی رہی تھی۔

دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام انہیں عذاب کی خبر سنا کر شہر سے نکل گئے۔ جبکہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلے جانا کا حکم نہیں ہوا تھا۔ آپ سے یہ بھول ہوئی تھی۔ اتنی ہی بات پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہو گئی۔ آپ نینوا کی بستی سے نکل کر دریا کے کنارے پر پہنچے۔ کنارے پر کشتی کھڑی تھی اور اس پر مسافر سوار ہو رہے تھے، آپ نے ملاح سے کہا:

''مجھے بھی سوار کر لو۔''

ملاح یا تو آپ کو جانتا تھا یا آپ کی نورانی شکل و صورت سے متاثر ہو کر کہنے لگا:

''ضرور سوار ہو جائیے...... یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسی ہستی ہمارے ساتھ سفر کرے۔''

یہ کہہ کر اس نے آپ کو سوار کر لیا، اب سفر شروع ہوا۔ کشتی ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ

بھنور میں پھنس گئی اور چکرانے لگی، مسافر گھبرا گئے، رونے لگے۔ کشتی کے ملاح نے چیخ کر کہا:

''اے مسافرو! میرا بہت مرتبہ کا تجربہ ہے، جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آتا ہے تو میری کشتی اسی طرح بھنور میں پھنس جاتی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا کشتی میں موجود ہے تو وہ خود کو ظاہر کردے تاکہ کشتی کے باقی مسافر غرق ہونے سے بچ جائیں، کسی نے ظاہر نہ کیا تو باقی مسافروں کی جان بچانے کے لیے ہم ایک مسافر کو دریا میں پھینک دیں گے۔''

ملاح کی بات سن کر حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

''میں ہی اپنے آقا کا بھاگا ہوا غلام ہوں، تم لوگ مجھے اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔''

کوئی آپ کو دریا میں پھینکنے پر تیار نہ ہوا...... آخر قرعہ اندازی کی گئی تو آپ کا نام نکلا...... لوگوں نے اسے بھی اتفاق سمجھا...... پھر قرعہ اندازی کی گئی۔ پھر آپ کا نام نکلا...... لوگ حیران تھے کہ ان کی صورت تو اتنی نورانی ہے...... یہ اپنے آقا سے بھاگے ہوئے غلام کیسے ہو سکتے ہیں...... اور پھر تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا گیا تو پھر آپ کا نام نکلا۔

تیسری مرتبہ آپ کا نام نکلنے پر بھی ملاح آپ کو دریا میں گرانے پر تیار نہ ہوا تو حضرت یونس علیہ السلام نے سوچا، میری وجہ سے تمام مسافر پریشان ہیں، اس لیے آپ خود ہی دریا میں کود گئے۔ دریا میں گرنا تھا کہ ایک بڑی مچھلی نے آپ کو زندہ نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا:

''ہمارے بندے یونس کو اپنے پیٹ میں ہی رکھ، یہ تیری غذا نہیں، بلکہ تیرا پیٹ ہم نے اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔''

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کوئی خاص قسم کی مچھلی تھی، اس کا پیٹ شیشے کی طرح شفاف تھا۔ اس میں سے دریا کی ہر چیز نظر آرہی تھی۔ اگر وہ کوئی عام مچھلی ہوتی تو آپ دریا کی دنیا کیسے دیکھتے، یہ اللہ کی قدرت کا ادنیٰ نمونہ تھا۔

یہ واقعہ دریائے فرات کا ہے۔ اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آپ کتنے دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، ایک دن، پانچ دن، سات دن اور چالیس دن کی روایات ملتی ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کو یوں پکارا:

''لا الہ الا انت سبحانک، انی کنت من الظالمین''

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو جملہ عیوب سے پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا:

''ہمارے بندے کو باہر نکال دے۔''

مچھلی نے آپ کو کنارے پر لا ڈالا، اس وقت یونس علیہ السلام بیمار سے تھے۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے آپ کمزور ہو گئے تھے۔ آپ کے بدن پر مکھیاں وغیرہ بیٹھنے لگیں...... اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس کدو کی ایک بیل اگا دی۔ اس کے پتوں نے آپ پر سایہ کر دیا۔ ایک ہرنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے پاس آتی اور آپ اس کا دودھ پی لیتے۔ اس طرح آپ بہت جلد تندرست اور توانا ہو گئے اور اپنی بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک چرواہے سے ملاقات ہوئی، آپ نے اس سے قوم کے حالات پوچھے، اس نے بتایا:

''یونس نامی ہمارے نبی تھے، انہوں نے قوم کو بہت سمجھایا، قوم نے ان کی بات نہ مانی۔ وہ ناراض ہو کر نینوا سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی قوم کے سروں پر بادل منڈلانے لگے۔ انہیں اپنی موت نظر آنے لگی۔ وہ رونے لگے، اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگنے لگے، آخر اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا، مگر یونس نبی کا اب تک کسی کو پتا نہیں۔''

اس پر حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے کہا:

''اگر تیری بکری میں دودھ ہو تو مجھے پلا دے۔''

اس نے سرد آہ بھری اور بولا:

"جس دن سے یونس گئے ہیں، ہم لوگ شدید قحط کا شکار ہیں۔ غلّہ تو درکنار گھاس تک پیدا نہیں ہوتی۔"

آپ نے اس کی بکریوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ وہ دوڑ کر شہر میں گیا اور یہ بات انہیں بتائی۔ سب لوگ آپ کی زیارت کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔ دیکھا تو وہ واقعی حضرت یونس علیہ السلام تھے۔

وہ لوگ بے تحاشا خوش ہوئے۔ بڑے احترام سے آپ کو شہر میں لائے۔ انہوں نے آپ کے زندہ سلامت مل جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد آپ پھر قوم کی اصلاح میں لگ گئے۔

آپ اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ صہیون پر چلے جاتے اور وہاں اللہ کی عبادت میں لگے رہتے۔ وہیں آپ نے وفات پائی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سیدنا عزیر علیہ السلام

آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں آپ کا ذکر آیا ہے۔

آپ پوری توراۃ کے حافظ تھے۔ بخت نصر کا زمانہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا۔ بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قید کر کے لے گیا۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ جب آپ ان کی قید سے چھوٹ کر آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا یروشلم جاؤ، ہم اسے دوبارہ آباد کریں گے۔ آپ کو یروشلم کی تباہ شدہ بستی کے کھنڈرات نظر آئے۔ وہاں نہ کوئی مکان تھا، نہ مکانوں میں رہنے والے......بس تباہ شدہ آبادی کے کچھ نشانات تھے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے، یہ شہر بخت نصر کے ہاتھوں 586 قبل مسیح تباہ ہوا تھا، یعنی حضرت عزیز علیہ السلام کی پیدائش سے 586 سال پہلے۔

بستی پر نظر پڑتے ہی حضرت عزیر علیہ السلام کے دل میں خیال پیدا ہوا:

''یہ شہر اللہ تعالیٰ کس طرح دوبارہ آباد کریں گے۔''

اس خیال کا آنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت نے وہیں روح قبض کر لی۔ آپ جس گدھے پر سوار تھے، وہ بھی وہیں مر گیا۔ آپ سو سال تک اسی جگہ پڑے رہے۔ اتنی مدت تک آپ پر کسی کی نظر نہ پڑی۔ اس عرصے میں بخت نصر بھی مر گیا۔ اس کی جگہ کوئی

اور بادشاہ بنا، اس نے بیت المقدس کو پھر سے آباد کیا۔ اور شہر یروشلم کو دوبارہ آباد کیا۔

پھر سو سال گزرنے پر حضرت عزیر علیہ السلام زندہ کیے گئے۔ اس سو سال کی مدت میں آپ کا کھانا ویسا کا ویسا رکھا رہا...... نہ وہ سڑا نہ گلا...... نہ اس کے رنگ اور ذائقے میں فرق آیا۔ زندہ کیے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:

''آپ کتنی مدت اس حالت میں رہے۔''

آپ نے جواب دیا:

''میں ایک دن رہا ہوں گا، یا ایک دن سے بھی کم۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ آپ اس حالت میں سو سال تک رہے۔''

عزیر علیہ السلام پر جب موت طاری ہوئی تھی، اس وقت اشراق جیسا وقت تھا اور جب زندہ کیے گئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس سے حضرت عزیر علیہ السلام سمجھے کہ ایک دن یا اس سے کم وقت تک آپ اس حالت میں رہے...... پھر مردہ ہونے سے پہلے آپ کو جو خیال آیا تھا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا...... اور آپ سے کہا گیا:

''اپنے مرے ہوئے گدھے کو دیکھیں۔''

اس کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ آپ نے ان بکھری ہڈیوں کی طرف دیکھا۔ اللہ نے انہیں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ پہلے ہڈیاں آپس میں جڑیں پھر ان پر گوشت چڑھا، کھال آگئی، اس کے ساتھ ہی اس میں جان آگئی اور وہ زندہ ہو کر اپنی آواز میں شور کرنے لگا۔ جب یہ کیفیت آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو بولے:

''اے پروردگار! مجھے پورا یقین ہے، آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔''

یعنی یقین پہلے بھی تھا، اب مشاہدے کے بعد وہ یقین پختہ ہو گیا۔ آپ اٹھ کر گدھے پر سوار ہوئے۔ بیت المقدس پہنچے تو دنیا بدلی نظر آئی۔ سو سال پہلے جو آپ نے صورتیں دیکھی تھیں، ان کی جگہ اور ہی صورتیں نظر آئیں، دنیا ہی بدلی نظر آئی۔ آپ نے لوگوں سے اپنا

تعارف کرایا، ان سے فرمایا:

''میں اللہ کا نبی عزیر ہوں۔''

اپنے بارے میں آپ نے انہیں تفصیل سے بتایا۔ انہیں یقین نہ آیا۔ بخت نصر نے جب وہاں تباہی مچائی تھی تو بنی اسرائیل کی کتابوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے توراۃ کو بھی نہیں چھوڑا تھا، لہٰذا آپ کی بات سن کر بولے:

''سو سال بعد مردہ عزیر کہاں آ گئے...... اگر آپ واقعی نبی ہیں تو توراۃ سنا دیں۔''

اب چونکہ آپ توراۃ کے حافظ تھے، اس لیے فوراً سنا دی۔ تب لوگوں کو یقین آیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔

مردہ بستی کو دیکھ کر چونکہ آپ کو وسوسہ آ گیا تھا کہ اس بستی کو اللہ دوبارہ کس طرح آباد کرے گا تو اس وسوسے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر موت طاری کی تھی۔

اب جو آپ نے انہیں توراۃ فر فر سنائی تو یہ بات ان کے بعد والوں کی تباہی کا سبب بن گئی کیونکہ ان کی حضرت عزیر علیہ السلام سے محبت بے تحاشا بڑھ گئی...... اور اس محبت نے گمراہی کی صورت اختیار کر لی۔ انہوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

دوبارہ زندہ ہونے کے پچاس برس بعد آپ نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدنا ذکریا علیہ السلام

آپ بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں اور بہت مشہور نبی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ بیت المقدس کے امام اور خادم تھے۔ بہت پرہیزگار اور عبادت گزار تھے۔

آپ کے زمانہ میں ایک خاتون حسنہ تھیں۔ انہوں نے ایک منت مانی، وہ یہ تھی:

"اے میرے پروردگار! تو مجھے بچہ دینے والا ہے، میں اس کے بارے میں منت مانتی ہوں کہ وہ سب کاموں سے آزاد رہ کر تیری خدمت کرے گا۔ سو تو میری طرف سے اس نذر کو قبول فرمالے۔ بے شک تو خوب سننے والا جاننے والا ہے۔"

اس منت سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا تو وہ بیت المقدس کے لیے اسے وقف کردیں گی۔ ہوا یہ کہ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوگئی۔ اس لڑکی کا نام مریم رکھا گیا۔ گویا وہ خاتون حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں۔ اب چونکہ نذر مان چکی تھیں اس لیے اسے پورا کرنے کے لیے جب انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لیے دینا چاہا تو وہاں کے سب خادموں نے انہیں لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس خواہش نے آپس میں مقابلہ بازی کی صورت اختیار کرلی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرعہ اندازی کا فیصلہ کیا گیا۔

قرعہ اندازی کا طریقہ یہ طے کیا کہ ہر امیدوار اپنا توراۃ لکھنے والا قلم دریا میں ڈالے

جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف اوپر چڑھے وہی حضرت مریم کو اپنی تربیت میں لے لے۔اس قرعہ اندازی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا نام آیا۔

زکریا علیہ السلام کی بیوی اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ دونوں بہنیں تھیں۔گویا حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے خالو تھے۔قرآن کریم میں آپ کا ذکر چار جگہ آیا ہے۔

آپ کی بیوی کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی......اور آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ حضرت مریم سمجھ دار ہو گئیں تو آپ کو عبادت کے لیے ایک حجرہ دے دیا گیا۔حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کے حجرے میں جاتے تو وہاں انہیں طرح طرح کے موسمی پھل نظر آتے......یعنی اس موسم میں بازار میں وہ پھل نہ ہوتے لیکن حضرت مریم کے پاس رکھے نظر آتے۔گرمی کے موسم میں سردی والے اور سردی کے موسم میں گرمی والے، آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام آپ سے پوچھتے:

''اے مریم! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟''

وہ جواب دیتیں:

''یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، بے سان وگمان رزق عطا فرماتا ہے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ آپ کے ہاں اولاد نہیں تھی اور آپ کے عزیزوں میں کوئی اس بات کا اہل نہیں تھا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کرتا رہے۔ اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''میرے پروردگار! مجھے اپنی بارگاہ سے نیک اولاد عطا فرما۔بے شک تو دعا سننے والا ہے۔''

زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔عمر 90 سال کے قریب تھی۔ بیوی بانجھ تھیں۔بس حضرت مریم کی برکات دیکھ کر آپ کو بھی اولاد کے لیے دعا کرنے کا خیال آ گیا

کہ جو خدا مریم کے لیے بے موسمی پھل دے سکتا ہے وہ میری بھی دعا قبول کر سکتا ہے۔ آپ کا دعا کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی۔

حضرت زکریا علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ کے فرشتے آ گئے اور کہنے لگے:

''اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ وہ کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور خواب پر پورا قابو پانے والا ہوگا۔ وہ نیکوکاروں میں سے ایک نبی ہوگا۔''

یعنی آپ کو نماز کے دوران بیٹے کی خوش خبری سنائی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے، کہنے لگے:

''اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا...... حالانکہ مجھ پر بڑھاپا آ پہنچا اور میری بیوی بانجھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اس حالت میں لڑکا ہوگا، کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔''

اس پر آپ نے عرض کیا:

''باری تعالیٰ! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک سوائے اشارے کے کوئی بات نہیں کر سکو گے اور تم اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتے رہو گے۔ صبح شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔''

چنانچہ جب وہ وقت آیا، آپ کی زبان بات چیت کرنے سے رک گئی۔ اور عبادت خانے سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارے سے سمجھایا کہ صبح شام اللہ کو یاد کرو، نمازیں پڑھو، تسبیح کرو۔

آخر اللہ نے وہ دن دکھایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد پوری ہوئی۔ قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے:

''میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو بس اللہ تعالیٰ کے ذمے

ہے۔“

آپ بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل ایک ایسی قوم تھی کہ اپنے انبیاء تک سے دشمنی کرتی تھی۔ انہیں قتل تک کر دیتی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا اس قوم پر بہت بڑا احسان تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے حافظے سے انہیں توراۃ لکھوائی تھی...... مگر وہ احسان فراموش قوم تھی...... اس نے سبھی انبیاء کو ستایا تھا...... حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی نہ چھوڑا...... آپ کے دشمن بن گئے، قتل کرنے کے پروگرام بنائے گئے۔

آپ نے اس قوم کے شر سے بچنے کے لیے کوشش کی...... اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ایک درخت میں سے آواز آگئی:

”مجھ میں پناہ لے لیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی درخت درمیان سے شق ہو گیا۔ آپ نے یہ خیال کیا کہ درخت کا بولنا اور شق ہونا، اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لیے آپ اس درخت میں بیٹھ گئے۔ درخت آپس میں مل گیا۔ بنی اسرائیل آپ کو تلاش کرتے اس درخت کے پاس پہنچ گئے...... شیطان اللہ والوں کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے مخبری کرتے ہوئے کہا:

”تم لوگ جسے تلاش کر رہے ہو، وہ اس درخت میں چھپا ہوا ہے۔“

ادھر آپ کا ذرا سا کپڑا باہر نکلا رہ گیا تھا۔ شیطان نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”دیکھ لو...... میں غلط نہیں کہہ رہا، ان کا کپڑا باہر نکلا نظر آ رہا ہے۔“

بنی اسرائیل کو شیطان کی بات پر یقین آ گیا...... وہ ایک آرا لے آئے اور اسے درخت پر چلانے لگے۔ آخر آرا چلتے چلتے آپ تک پہنچ گیا...... ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا...... آپ نے اُف تک نہ کی۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ آپ کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔ (مؤرخین کے مطابق آپ کی قبر شام کے شہر حلب میں ہے۔ نقوش تاریخ اسلامی کے مصنف نے شام کے دورے کے دوران وہاں دیکھی)

انا للہ وانا الیہ راجعون

سیدنا یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں آپ حضرت زکریا علیہ السلام کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ آپ کا نام یحییٰ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اے زکریا ہم تجھے ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کسی کو اس کا ہم نام پیدا نہیں کیا۔''

گویا دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ قرآنِ کریم کی چار سورتوں میں آپ کا نام آیا ہے۔ آپ حضرت زکریا کے اکلوتے بیٹے اور حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ حسنہ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ایشاع دونوں سگی بہنیں تھیں۔

آپ بچپن ہی سے بہت نیک تھے۔ جب دوسرے بچے آپ کو کھیلنے کے لیے بلاتے تو آپ فرماتے:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے کھیل کود کے لیے پیدا نہیں فرمایا۔''

آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ جنگلوں میں بسر ہوا۔ آپ وہاں درختوں کے پتے اور شہد وغیرہ کھا کر گزارا کرتے تھے۔ جنگل ہی میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے یحییٰ! اس کتاب یعنی توراۃ کو پوری قوت سے سنبھالے رکھنا اور ہم نے اسے بچپن ہی سے دین کی سمجھ اور اپنے پاس سے رحم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ بہت پرہیز گار اور اپنے ماں باپ کا بڑا خدمت گزار تھا اور وہ سرکشی اور نافرمانی کرنے والا انسان نہیں تھا۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شوق و ذوق، رحم دلی اور محبت عطا فرمائی تھی۔ وہ صاف ستھرے، پاکیزہ اور پرہیز گار تھے۔ حدیث میں ہے، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ کیا، اللہ کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی وجہ سے نالیاں بن گئی تھیں۔ آپ ذرا بھی مغرور نہیں تھے۔ آپ اللہ کے ایسے نبی ہیں، جنہوں نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ توراۃ کے احکامات پر عمل کرانے کے لیے آپ نے وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کوئی آدمی آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا تو آپ پہلے اسے غسل کا حکم دیتے پھر توبہ کراتے۔ (تذکرۃ الانبیاء)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''یحییٰ بن زکریا کو اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں کا خاص طور پر حکم فرمایا تھا۔ وہ پانچ باتیں یہ تھیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ اور سمجھ لو کہ جیسے تمہیں اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہی تمہیں روزی دیتا ہے تو تم صرف اس کی عبادت کرو۔ (۲) تم خشوع و خضوع سے نماز ادا کرو، کیونکہ جب تک تم نماز میں کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہو گے، اللہ تعالیٰ بھی برابر تمہاری طرف رضا اور رحمت سے متوجہ رہے گا۔ (۳) روزہ رکھو، اس لیے کہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو، وہ مشک سب کو اپنی خوشبو سے مست کرتی رہے گی اور روزہ دار کے منہ کی بو کا خیال نہ کرو، وہ مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے۔ (۴) اپنے مالوں میں سے صدقہ نکالا کرو، کیونکہ صدقے سے آدمی دشمنی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۵) اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، کیونکہ ذکر کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی سے اس کا پیچھا کر رہا ہو اور ذکر کرنے والا بھاگ کر کسی

مضبوط قلعے میں پناہ لے کر دشمن سے محفوظ ہو جائے۔ بلاشبہ انسان کے دشمن شیطان کے مقابلے میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جانا ایسا ہے جیسے کسی مضبوط قلع میں محفوظ ہو جانا۔"

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء پیدا فرمائے مگر اس قوم نے کسی کے ساتھ وفا نہ کی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب کا مستحق کون ہوگا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی نبی کو قتل کرے، ایسے شخص کو قتل کرے جو بھلائی کا حکم کرے اور بری باتوں سے روکے۔"

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قوم کس قدر بد بخت اور بد قسمت تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہیرو ویس بادشاہ کی حکومت تھی۔ اس کی بھتیجی بہت خوبصورت تھی۔ وہ اکثر اپنی ضرورتوں کے پورا کرانے کے لیے ہیرو ویس کے پاس آتی رہتی تھی...... دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگ گئے۔ دونوں نے آپس میں نکاح کرنا چاہا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے انہیں اس ناجائز کام سے روکا...... اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"شریعت کی رو سے تم دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا۔"

لڑکی کی والدہ کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ بات بری لگی، وہ آپ کی دشمن بن گئی۔ اس نے بیٹی سے کہا:

"تو بن سنور کر بادشاہ کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ یحییٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر اس کے سامنے منگوائے۔"

اس نے ایسا ہی کیا، بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ یحییٰ (علیہ السلام) کا سر کاٹ کر لے آؤ۔ جلاد گیا اور آپ کو شہید کر کے سر کاٹ کر لے آیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ 30ء کا ہے۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے 541 سال پہلے ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ بادشاہ کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف محاذ بھی قائم کیا...... اور دیکھتی آنکھوں اپنے ہی نبی کو شہید کرادیا۔ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے، نبی کو شہید کرنے والوں پر ضرور برستی ہے۔ حضرت یحییٰ کے سر سے خون تیزی سے بہنا شروع ہوا...... خون کا سلسلہ جب نہ رکا تو اسی دور کے ایک اور نیک بادشاہ کو یہ اطلاعات ملیں۔ اس نے ان لوگوں پر چڑھائی کردی اور جتنے لوگ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل میں شریک تھے ان سب کو قتل کردیا اور ان کے علاوہ ستر ہزار بنی اسرائیلیوں کو بھی قتل کیا۔ تب کہیں جا کر سر کے خون کو قرار نصیب ہوا۔

قتل ہونے والوں میں وہ بادشاہ، اس کی بھتیجی اور اس کی ماں سب شامل تھے...... یہ تھا قدرت کا انتقام۔ (آپ کا سر مبارک شام کے شہر دمشق کی تاریخی مسجد ''مسجد اموی'' میں مدفون ہے: مصنف نقوش تاریخ اسلامی)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

آپ بنی اسرائیل کے سب سے آخری اور مشہور نبی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے درمیان 571 سال کا فاصلہ ہے۔

آپ کی والدہ کا نام مریم بنتِ عمران ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ عمر میں ان سے چھوٹے تھے۔ حضرت مریم کی دیکھ بھال حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمے لگی تھی...... آپ پڑھ چکے ہیں کہ سب کے سب حضرت مریم کو لینے کے خواہش مند تھے...... لیکن قرعہ اندازی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا نام نکلا تھا...... اس لیے حضرت مریم آپ کی ذمہ داری میں آ گئیں۔ آپ حضرت مریم کے خالو تھے۔

یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان واقعات کو بیان کر دیا جو صدیوں پہلے پیش آئے تھے۔ دنیا ان کو نہیں جانتی تھی۔ جن قوموں کا ان واقعات سے تعلق تھا وہ بھی ان کو بھلا چکی تھیں۔ انہی واقعات میں قرعہ اندازی کا یہ واقعہ بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے نبی یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ورنہ آپ ان لوگوں کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے۔ جب کہ وہ اس بات پر قرعہ اندازی کے لیے اپنی اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کا نگران کون بنے گا۔''

آپ وہ واحد خاتون ہیں جن کا نام بیت المقدس کی خادمہ کی حیثیت سے قرعہ اندازی میں نکلا۔ آپ جس کمرے میں عبادت کیا کرتی تھیں، وہاں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بے موسمی پھل عطا فرماتے تھے۔ یہ بھی آپ کی فضیلت ہے۔ انہی پہلوؤں کو دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا کی تھی......اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔

جب آپ بالغ ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے کہا:

''اے مریم! اللہ تعالیٰ آپ کو اس کلمے کی بشارت دیتے ہیں جو اللہ کی جانب سے ہوگا۔ اس کا نام مسیح بن مریم ہوگا......وہ دنیا اور آخرت میں مرتبے دار ہوگا اور مقرب لوگوں میں سے ہوگا۔''

''اور ماں کی گود میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور جب وہ پوری عمر کا ہوگا تو نیک بختوں میں سے ہوگا۔''

حضرت مریم فرشتوں کی بات سن کر پریشان ہوگئیں کہ ان کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی۔ ان کے ہاں بھلا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے......اور اگر اب یہ ہوگیا تو لوگ تو انہیں طعنے دیں گے......اس وقت میں اپنی پاک دامنی ثابت کرنے کے لیے کیا کروں گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''مریم گھبرانا نہیں، تمہیں زبان ہلانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ تمہارا بچہ خود تمہاری صفائی دے گا اور لوگوں کے اعتراضات کی جواب دہی کرے گا۔''

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآنِ کریم کی 13 سورتوں میں آیا ہے۔ جب حضرت مریم نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ ان کے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ ان کی تو ابھی کسی سے شادی بھی نہیں ہوئی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یوں ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتے

ہیں تو اسے صرف اتنا کہہ دیتے ہیں ''ہوجا'' چنانچہ وہ ہوجاتا ہے۔''

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ میں سب قدرت ہے۔ اس نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا تھا۔ پھر بغیر ماں کے حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا تھا...... لیکن دنیاوی لحاظ سے بغیر ماں باپ کے اولاد پیدا نہیں ہوتی اور اگر بغیر باپ کے کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوجائے تو اسے بدکار عورت کہا جاتا ہے...... اسی لیے دنیا کے لحاظ سے حضرت مریم کو فکر لاحق ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو تو اپنی قدرت دکھانا تھی، لوگوں کا امتحان لینا تھا۔

آپ کو غسل کے لیے ایک علیحدہ مکان میں جانا پڑا۔ وہاں حضرت مریم کے سامنے ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا۔ آپ اسے دیکھ کر گھبرا گئیں اور بولیں:

''میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو خدا سے ڈرنے والا ہے۔''

اس پر فرشتے نے جواب دیا:

''میں تو آپ کے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔'' یہ کہہ کر فرشتے نے آپ پر پھونک ماری اور اللہ کے حکم سے حضرت مریم حاملہ ہوگئیں۔ کچھ دن بعد حضرت مریم علیہا السلام نے بھاری پن محسوس کیا، پھر بچے کی پیدائش کا وقت قریب آگیا۔ تو آپ نے سوچا، قوم جاہل ہے۔ اسے اس ساری صورتحال کی کیا خبر، نہ معلوم اب کیا کیا الزام تراشیاں کریں، اس لیے آپ نے سوچا، کسی الگ تھلگ گھر چلے جانا چاہیے۔ چنانچہ آپ یروشلم چلی گئیں۔ یہ جگہ بیت المقدس سے نو میل دور ہے۔ اس مقام کو آج کل بیت اللحم کہتے ہیں۔ اس بستی میں زیتون اور دوسرے پھل دار درخت ہوتے ہیں۔

آپ بیت اللحم پہنچی ہی تھیں کہ آپ نے درد محسوس کیا۔ آپ کھجور کے ایک درخت کے نیچے اس کے تنے کا سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔ اب چونکہ یہ آپ کی زندگی کا انوکھا واقعہ تھا، اس لیے پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں:

''کاش! میں اس حالت سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور ایسی بے نشان ہوجاتی کہ کسی کو یاد

بھی نہ رہتی۔"

یہ وقت عورت کے لیے بہت سخت ہوتا ہے۔ مریم علیہا السلام اسی کیفیت کی وجہ سے فرشتے کی بتائی ہوئی باتیں بھول گئیں۔ آپ کو اپنی تکلیف کی پڑ گئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کی طرف فرشتے کو بھیجا، اس نے آپ کا حوصلہ بڑھایا۔ یہ فرشتے جبرائیل علیہ السلام تھے، انہوں نے کہا:

"اے مریم! غمگین نہ ہو، تیرے رب نے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے......اور تو اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر ہلا۔ اس کے ہلانے سے تجھ پر تازہ کھجوریں جھڑیں گی۔ تو کھجوریں کھا، پانی پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"پھر اگر آدمیوں میں سے تو کسی کو دیکھے تو اشارے سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے، لہٰذا میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔"

اس ہدایت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بدنامی سے بچنے کا طریقہ بتایا، اس وقت کی شریعت میں روزے دار خاموش رہتا تھا۔

پھر حضرت مریم بچے کو گود میں اٹھائے لوگوں کی طرف آئی تو لوگوں نے آپ سے کہا:

"اے مریم! یہ تو تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون تو سن، نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار تھی (یعنی یہ تو نے کیا کیا)۔

آپ نے اشارے سے بتایا کہ میرا روزہ ہے اور تم لوگ جو مجھ پر بہتان باندھ رہے ہو، اس کا جواب میرے اس شیر خوار بچے سے پوچھ لو۔ لوگ تو پہلے ہی الزام لگا رہے تھے، آپ کے اشارہ کرنے پر بولے:

"یہ بچہ بھلا کیا جواب دے گا، یہ تو کیا نئی بات کہہ رہی ہے......کبھی اتنا سا بچہ بھی بولا کرتا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اللہ کے حکم سے بولے:

''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں، مجھے اللہ نے بابرکت کہا ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنی ماں کا اس نے مجھے خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔''

قوم دودھ پیتے بچے کی باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔ حضرت مریم سے ان کی بدگمانی دور ہوگئی۔ ساتھ ہی قوم نے جان لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عام بچوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ اپنے وقت پر یہ بہت اہم شخصیت ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ ماں بیٹے کے وجود کو اپنے لیے خیر و برکت کا سبب سمجھنا شروع کر دیا۔

ان حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ محترمہ کی آغوش میں پرورش پاتے رہے۔ اللہ کی قدرت کہ آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، پھر آپ کی تربیت کرائی...... تاکہ بڑے ہونے پر بنی اسرائیل کی اصلاح کر سکیں۔

اس وقت بیت المقدس کے حالات اچھے نہیں تھے۔ اس لیے حضرت مریم آپ کو مصر لے آئیں، پھر مصر سے ناصرہ چلی گئیں۔ جب آپ 13 سال کے قریب ہوگئے تب آپ کو واپس بیت المقدس لے گئیں۔ آپ کی نبوت سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہمارے بعد ایک نبی آنے والے ہیں۔

ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس شب آپ پیدا ہوئے، اسی شب ہی شاہ فارس نے آسمان پر ایک نیا ستارہ دیکھا۔ بادشاہ نے درباری نجومیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس ستارے کا طلوع کسی عظیم الشان ہستی کی پیدائش کی خبر دیتا ہے جو ملکِ شام میں پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو پتا چلا کہ اسی شب ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

اس دوران بنی اسرائیل کی مذہبی حالت اور زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ وہ مشرکانہ رسوم کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ تو راۃ کے احکامات کو بدل دیا گیا تھا۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ اشارہ تو اس وقت مل ہی چکا تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں جب آپ نے ماں کی گود میں باتیں کی تھیں۔ آپ کی پیدائش چونکہ باپ کے بغیر ہوگئی تھی، اس لیے آپ کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا (یعنی اللہ کا کلام)۔

بنی اسرائیل یا تو انبیاء کو مانتے ہی نہیں تھے یا مانتے تھے تو انہیں حد سے بڑھا دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک گروہ نے تو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور تین خدا بنا لیے ایک خدا، دوسرے خدا کا بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور تیسری آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام۔ وہ کہنے لگے، خدا تین ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انجیل مقدس عطا فرمائی۔ انجیل بذریعہ جبرائیل علیہ السلام ملی۔ آپ توراۃ کی بھی تصدیق کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات بھی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو واضح معجزات عطا کیے اور انہیں روح القدس یعنی جبرئیل سے قوت دی۔'' (پ3، ع1)

نبوت اور معجزات ملنے کے بعد آپ نے اپنی قوم سے فرمایا:

''میں تمہارے رب کی نشانی لے کر تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندے کی صورت بناتا ہوں، پھر اس کے اندر پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ پرندہ بن جاتا ہے، اور میں خدا کے حکم سے پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ دوسرے دن کے لیے اپنے گھروں میں رکھ آئے ہو، میں وہ تمہیں سب بتا دیتا ہوں۔ بلاشبہ ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی دلیل ہے؟ اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

آپ نے یہ باتیں ان لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کیں تاکہ وہ جان لیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں...... اور کسی کو آپ کی نبوت پر شک ہو تو معجزات دیکھ کر یقین کر لے اور اگر کوئی ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا...... کسی کے ماننے

یا نہ ماننے سے آپ کی نبوت اور رسالت کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

اس زمانے میں طبیبوں اور حکیموں کا بہت زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جن کا مقابلہ بڑے سے بڑے حکیم بھی نہ کرسکیں۔ بڑے بڑے حکیموں کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے ہیں تو ایک بڑا حکیم ایک پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو لے آیا۔ اس نے آپ سے کہا:

''ان دونوں مریضوں کو اچھا کر کے دکھائیں۔''

آپ نے دونوں پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اللہ کے حکم سے دونوں تندرست ہو گئے...... لیکن وہ حکیم پھر بھی ایمان نہ لایا۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا کام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کے ہاتھ سے ظاہر کرادیتے ہیں۔ ان معجزات کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات عطا فرمائے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جب بھی انسانوں کی رہنمائی کے لیے کسی نبی کو بھیجا تو انہوں نے اسے جھٹلایا، اس کے معجزات کا انکار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی قوم نے یہی کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پھر جب وہ (عیسیٰ) ان (بنی اسرائیل) کے پاس صاف اور صریح نشانیاں لے کر آیا تو وہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔'' (پ28، سورۃ الصف)

عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے فرمایا:

''لوگو! میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں...... اور اس لیے آیا ہوں کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، ان کی حقیقت سے تمہیں آگاہ کرادوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔'' (پ25، ع12)

آپ نے ان سے فرمایا:

''اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، سو تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا

سیدھا راستہ ہے۔''

آپ نے اگرچہ یہ بالکل واضح اعلان فرمایا تھا کہ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی...... لیکن بنی اسرائیل کئی گروہوں میں بٹ گئے۔ یہودیوں نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سرے سے ہی انکار کر دیا...... اور عیسائی کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگا تو کوئی آپ کو ان تین خداؤں میں سے ایک کہنے لگا...... غرض کوئی کچھ کہتا تھا تو کوئی کچھ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر کوئی ایک فرقہ بھی نہ آسکا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا:

یقیناً وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یوں کہا کہ مسیح ابن مریم ہی عین خدا ہے، حالانکہ خود مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

یعنی وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے لگے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے یوں کہا کہ خدا تین میں کا ایک تیسرا ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں سے کفر پر قائم رہیں گے، انہیں ضرور دردناک عذاب ہوگا۔''

غرض ان لوگوں نے عجیب وغریب اور گول مول عقیدے بنا لیے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے:

''اے عیسیٰ ابن مریم! تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود قرار دو؟''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے:

''اے اللہ! آپ پاک ہیں، میرے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایسی بات کہتا، جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ ہو، اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو یقیناً آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کی ہر ایک بات سے آگاہ ہیں۔''

پھر مزید عرض کریں گے:

''میں نے تو ان سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا، جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ وہ یہ کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی۔''

پھر یہ بھی عرض کریں گے:

''اور میں جب تک ان میں رہا، ان کے احوال سے باخبر رہا پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کے حالات کے نگران تھے اور آپ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہیں۔''

غرض آپ آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے تک مسلسل دین کی تبلیغ کرتے رہے۔ اپنی زندگی آپ نے اسی کام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ جتنی تبلیغ کرتے گئے، بنی اسرائیل اتنا ہی آپ کی مخالفت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مخالفت میں اس قدر بڑھ گئے کہ آپ کی جان لینے کی کوششیں شروع کر دیں۔

آپ کے زمانہ میں قیصرِ روم بادشاہ تھا۔ اس نے کچھ ایسے خواب دیکھے تھے جن سے اسے خطرہ تھا کہ اس کی حکومت ختم ہونے والی ہے۔ ادھر حضرت مریم علیہا السلام سے بغیر باپ کے آپ کی ولادت ہوئی۔ اس بات کی ہر طرف شہرت ہوگئی اور جب آپ ماں کی گود میں بولے تو شہرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ حالات خطرناک دیکھ کر حضرت مریم آپ کو لے کر مصر چلی گئیں۔ تقریباً بارہ سال وہیں رہیں۔ اس دوران بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت مریم آپ کو لے کر واپس ملک شام آ گئیں۔ اس کے بعد آپ کی تبلیغ سے 12 آدمی آپ پر ایمان لے آئے۔ قرآنِ کریم میں ان لوگوں کو حواری کہا گیا ہے۔ یہودی اس سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں، اس لیے وہ آپ کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں لگ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کے ناپاک ارادے بھانپ چکے تھے۔ اسی لیے آپ نے اپنے حواریوں کی جماعت بنائی تھی۔ آپ نے اپنے حواریوں کو بتایا:

''اور (یہود نے) خفیہ سازش کی اور ہم نے ان کے مقابلے میں (عیسیٰ کی حفاظت کی) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر و برتر ہے۔''

جس طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو صحابہ کرام کہتے ہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہا گیا ہے۔ یہ لوگ آپ پر ایمان لائے اور پھر آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی:

''اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان نازل کرے۔''

یہ سن کر آپ نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا:

''اگر تم ایمان والے ہو تو خدا سے ڈرو۔'' یعنی ایسی فرمائش نہ کرو۔

اس پر وہ بولے: ''ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اس خوان میں سے کچھ کھائیں بھی اور ہمارے دلوں کو اطمینان بھی ہو اور اس بات کا پورا یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا اور ہم اس نزولِ مائدہ (کھانے کا تھال) پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔''

اس پر آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ پر خلوص ہیں تو آپ نے دعا کی:

''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان نازل فرمائیں کہ وہ خوان ہمارے پہلوں اور بعد والوں سب کے لیے خوشی کی بات قرار پائے اور آپ کی قدرت کا یہ مائدہ ایک نشان ہو جائے اور ہمیں روزی عطا فرمائیں۔ آپ سب سے بہترین روزی دینے والے ہیں۔''

آپ ابھی دعا میں مشغول تھے کہ آسمان سے مائدہ کا تحفہ پہنچ گیا۔ آپ نے شکرانے کے دو نفل ادا کیے۔ اس کے بعد خوان کھولا تو اس میں تلی ہوئی مچھلیاں، تر و تازہ پھل اور

روٹیاں تھیں۔ خوان کھولتے ہی ایسی خوشبو نکلی کہ اس کی مہک نے سبھی کو مست کر دیا۔ یہ خوان چالیس دن تک اترتا رہا۔ اس کے بارے میں حکم یہ نازل ہوا تھا کہ اس کھانے کو غریب اور بیمار لوگ کھائیں گے۔ مال دار، تندرست اور توانا لوگ نہ کھائیں۔ مگر انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی اور مال داروں نے بھی کھانا شروع کر دیا۔ اس خلاف ورزی پر ان میں سے 80 آدمی سؤر اور بندر بنا دیے گئے۔ مائدہ کا یہ خوان چونکہ اتوار کے روز اترا تھا، اس لیے نصاریٰ کے ہاں اتوار کو عید کا دن خیال کیا جاتا ہے، جس طرح مسلمانوں کے ہاں جمعہ کے دن کو سمجھا جاتا ہے۔

نبوت ملنے کے بعد آپ تین سال تک بہت توجہ سے تبلیغ کرتے رہے۔ نہ آپ نے شادی کی، نہ اپنے لیے گھر بنایا۔ آپ شہر شہر اور بستی بستی جا کر اللہ کا پیغام لوگوں کو سناتے رہے، جہاں رات ہو جاتی آپ وہیں بغیر بستر اور بوریے کے رات گزارنے کے لیے ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"میں اپنے پاس ایسی کوئی چیز نہیں رکھنا چاہتا جس سے عبادت میں خلل آئے۔"

آپ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔ آپ اس سے پانی پیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ کی ہتھیلی کے ذریعے پانی پی رہا ہے۔ اس روز سے آپ نے پیالے کا استعمال بھی چھوڑ دیا۔ آپ کے پاس سر کے بالوں اور ڈاڑھی میں خلال کے لیے لکڑی کا ایک کنگھا تھا، ایک دن آپ نے ایک شخص کو ہاتھ سے ڈاڑھی اور سر کے بال درست کرتے دیکھا تو آپ نے کنگھے کا استعمال بھی ترک کر دیا کہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ غرض آپ نے اپنی زندگی مسافروں کی طرح گزاری۔

ایک روز آپ نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا۔ آپ نے اس خطبے میں فرمایا:

"اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل کی گئی (یعنی توراۃ کی) اور میں خوش خبری سنانے والا ہوں کہ اب آنے والے رسول کی جن کا نام احمد ہوگا۔"

ملک شام میں اس وقت رومیوں کی بادشاہت تھی۔ قیصر روم کی طرف سے وہاں ایک حاکم مقرر تھا۔اس کا نام ہردولیس تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو ساتھ لے کر ملک شام میں معجزے دکھا کر وعظ اور نصیحت کرتے تھے۔اس طرح سینکڑوں کی تعداد میں مرد اور عورتیں ان پر ایمان لے آتے تھے۔اس پر یہود جلتے تھے،حسد کرتے تھے۔پھر وہ دشمنی پر اتر آئے اور آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

آپ دن کے وقت یروشلم میں آکر یعنی مسجدِ اقصیٰ میں وعظ فرماتے تھے۔ اپنے حواریوں اور ایمان لانے والے دوسرے لوگوں سے فرماتے کہ دینِ عیسوی پر قائم رہنا اور میرے بعد نبی آخرالزماں بھی آنے والے ہیں،ان کی پیروی کرنا آپ اس بات کی بار بار تاکید فرماتے۔

حواریوں میں سے ایک کا نام یہودا تھا۔یہ قتل کا منصوبہ بنانے والوں کے پاس گیا۔ان سے کہا:''میں مسیح کا پتا بتا سکتا ہوں......اگر تم میری مٹھی گرم کرو۔''

انہوں نے اسے تیس سکے رشوت کے طور پر دیے۔اس نے آپ کا پتا بتا دیا۔اس طرح یہودیوں کی جماعت آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے اس پہاڑی پر پہنچ گئی جس پر آپ موجود تھے۔آپ اس وقت ایک مکان میں موجود تھے۔ یہودا بھی اندر آپ کے ساتھ تھا......دوسرے حواری بھی ساتھ تھے......جونہی یہودی اندر داخل ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تو آسمان پر اٹھالیا اور یہودا کی صورت تبدیل کر دی......اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ اس کا حلیہ بن گیا...... یہودی جو اندر داخل ہوئے تھے......انہوں نے اسے عیسیٰ علیہ السلام خیال کرتے ہوئے گرفتار کرلیا۔

وہ لگا شور مچانے......کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں......میں تو وہ ہوں......جس نے تمہیں یہاں کا پتا بتایا تھا......مگر اب اس کی کون سنتا......انہوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ان یہود کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ جو

اللہ کا رسول تھا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو انہیں یہود نے قتل کیا اور نہ انہیں سولی دی بلکہ ان پر واقعے کی حقیقت مشتبہ ہوگئی اور جو لوگ یعنی یہود اور نصاریٰ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ وہ دراصل اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان اختلاف کرنے والوں کے پاس سوائے تخمینی باتوں کی پیروی کرنے کے اور کوئی صحیح علم نہیں اور یہود نے یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑی قوت اور بڑی حکمت والا ہے۔'' (پ6ع2)

اب جب انہوں نے یہودا کی لاش کو دیکھا تو کہنے لگے:

''اس کا چہرہ تو مسیح جیسا ہے اور جسم ہمارے ساتھی جیسا...... چہرے کے علاوہ سارا بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے۔'' کسی نے کہا: ''یہ مقتول اگر مسیح ہے تو ہمارا جو آدمی اندر گیا تھا، وہ کہاں ہے (یعنی یہودا) اور اگر یہ ہمارا آدمی (یہودا) ہے تو مسیح کہاں گئے؟''

اس شبہے کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شبہے میں پڑ گئے۔ قرآنِ کریم کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہودیوں نے دھوکے میں اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ کر سولی پر لٹکایا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی وعدہ کر چکے تھے کہ ہم آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے۔ دشمن حیران و پریشان ہو کر سوچتے رہ گئے اور ایک ایسی الجھن میں مبتلا ہو گئے جس نے آج تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ احادیث کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ دجال کو قتل کریں گے۔ آپ کے زمانے میں یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ آپ شادی کریں گے۔ آپ کے ہاں اولاد بھی ہوگی اور آپ اس دنیا میں 40 یا 45 سال گزار کر وفات پائیں گے...... آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضئہ مبارک میں دفن کیا جائے گا...... وہاں آپ کی قبر کی جگہ موجود ہے۔

الحمدللہ! سلسلہ انبیاء قدم بہ قدم اپنے اختتام کو پہنچا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر پہلے ''سیرت النبی قدم بہ قدم'' کے عنوان سے دو جلدوں میں لکھ چکا ہوں۔
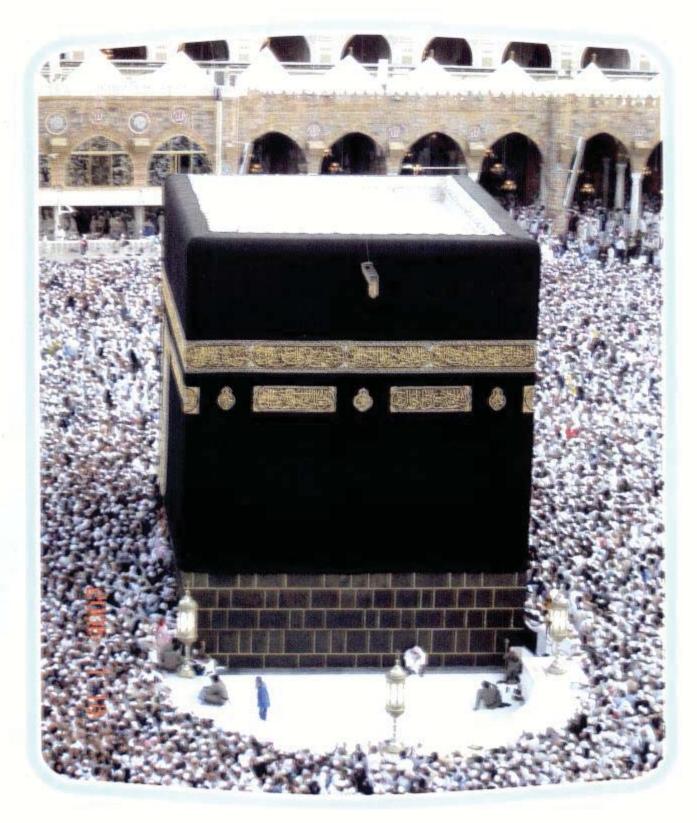
حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے مٹی لے آئے تو اللہ نے اس مٹی کو زمین کے ایک خاص حصے میں رکھنے کا حکم دیا اور اس پر چالیس روز بارش برستی رہی پھر اسی گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا۔ جس جگہ یہ مٹی رکھی گئی تھی اسی جگہ خانہ کعبہ تعمیر ہے۔
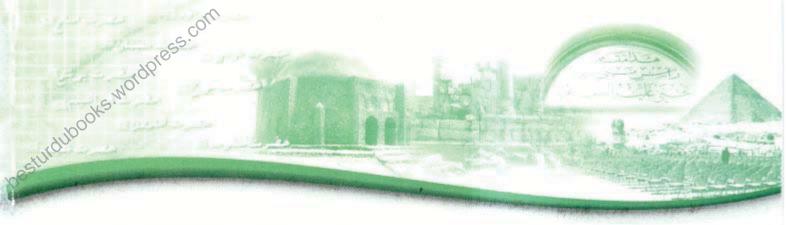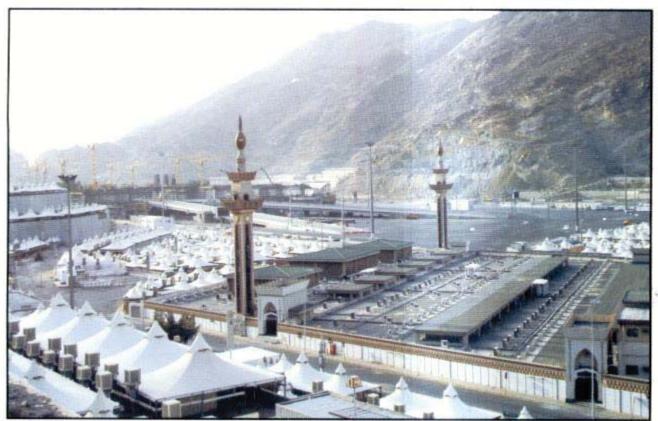
حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کے بعد فرشتوں نے آپ کو غسل دیا۔ بہشت کا کفن پہنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کو مسجد خیف میں دفن کیا گیا اور قبر کی شکل اونٹ کے کوہان جیسی بنائی گئی۔ یہ سارا عمل آئندہ نسلوں کی میت سے متعلق تربیت کے لیے تھا۔
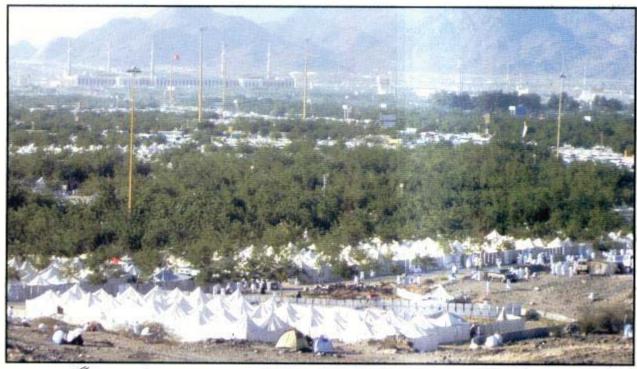
حضرت آدم علیہ السلام توبہ قبول ہونے کے بعد میدانِ عرفات میں آئے تھے، حضرت حوا بھی یہیں آگئیں، آپ ایک دوسرے کو نہ پہچان پائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا، اسی لیے اس میدان کا نام ''عرفات'' مشہور ہوگیا۔
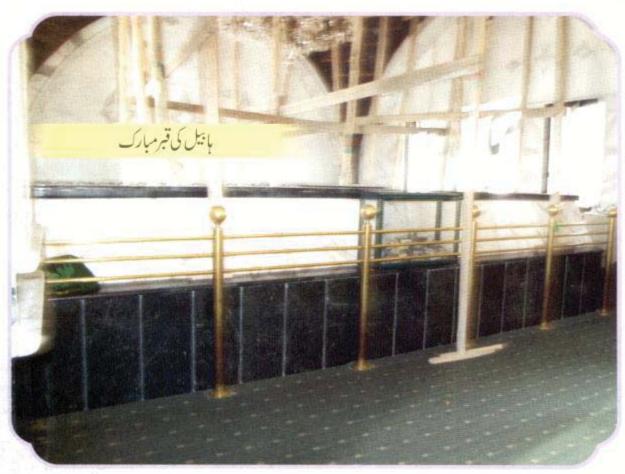
دمشق میں واقع یہ پہاڑ جو مختلف روایات کی رو سے انبیاء علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو یہیں قتل کیا تھا۔
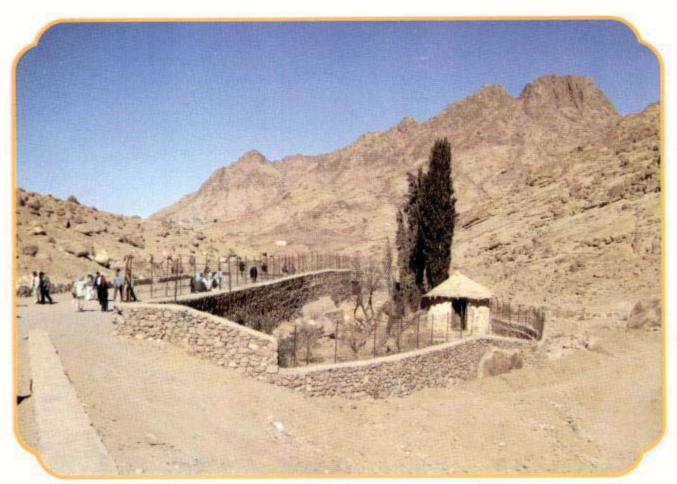
حضرت ادریس علیہ السلام کا مقبرہ جو کوہِ طور کے دامن میں واقع ہے
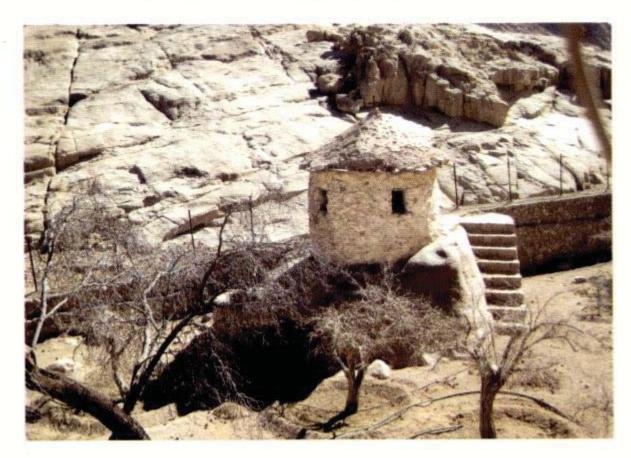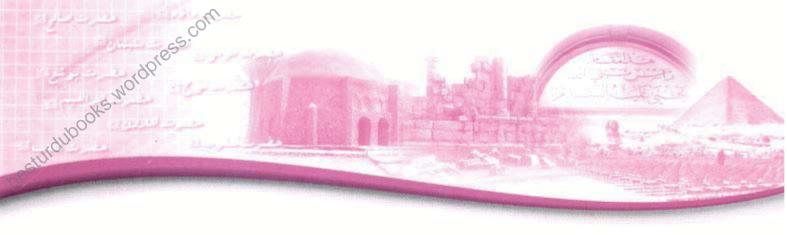
ترکی اور آرمینیا کی سرحد پر موجود کوہِ اراراط جہاں نوح علیہ السلام کی کشتی آ کر ٹھہری تھی

عراق میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم یہاں آباد تھی
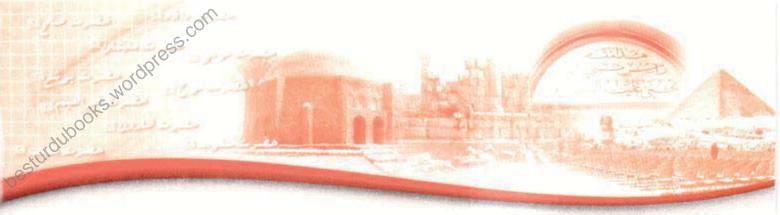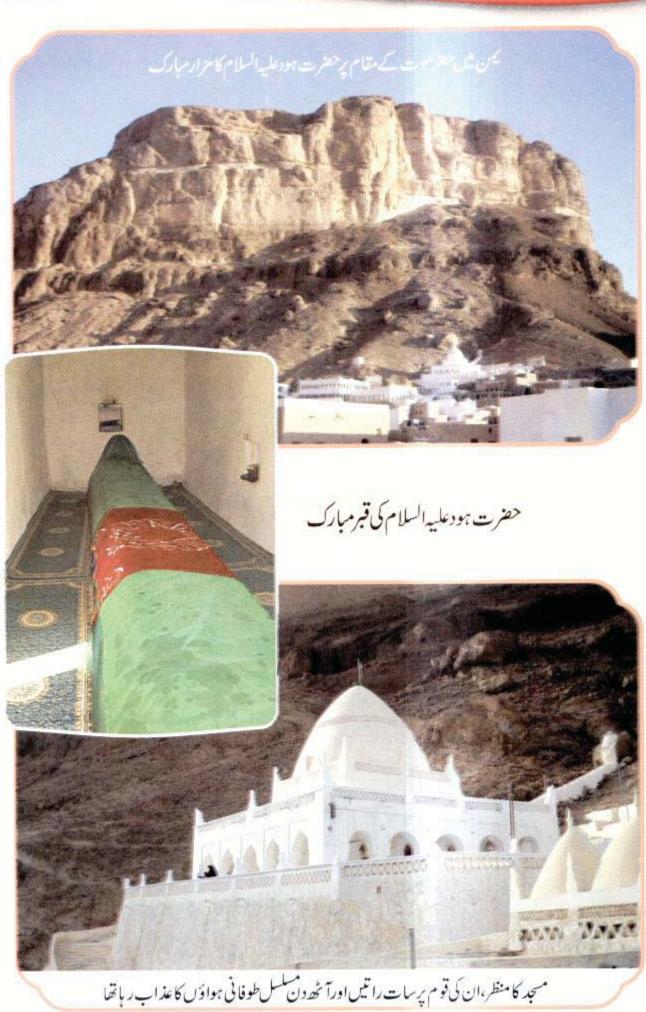
یمن میں حضرموت کے مقام پر حضرت ہود علیہ السلام کا مزار مبارک

حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک

مسجد کا منظر، ان کی قوم پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل طوفانی ہواؤں کا عذاب رہا تھا

سعودی عرب کے شمال میں موجود **مدائن صالح** علیہ السلام، یہ ہزاروں سال پہلے کی تعمیرات ہیں جو عبرت کے لیے اب تک جوں کی توں موجود ہیں۔

قصرِ دیوان،
بادشاہ کی نشت گاہ جو پہاڑ کھود کر مہارت سے تعمیر کی گئی تھی۔
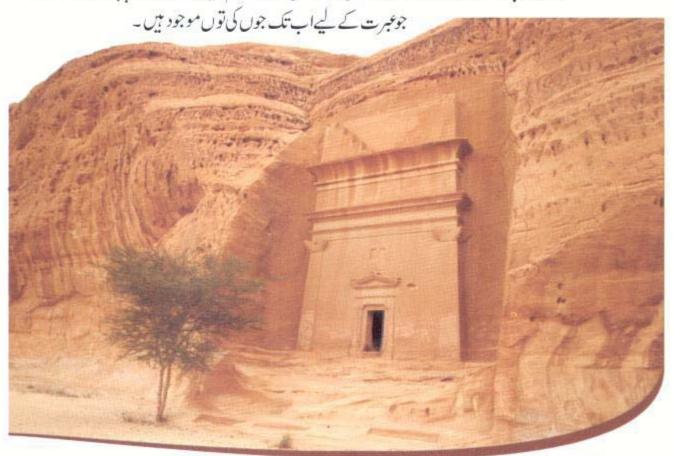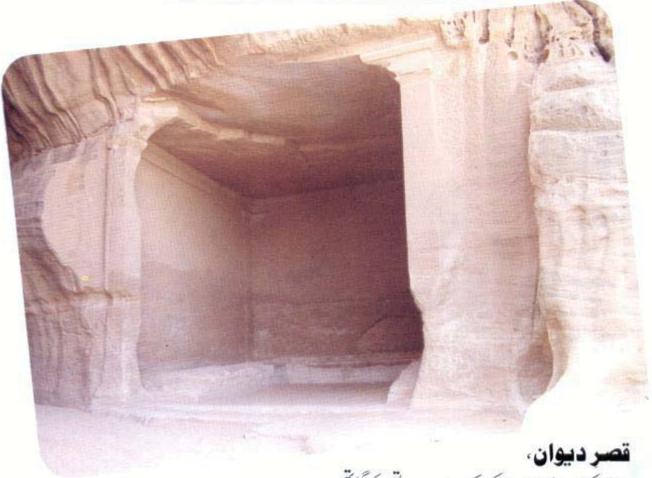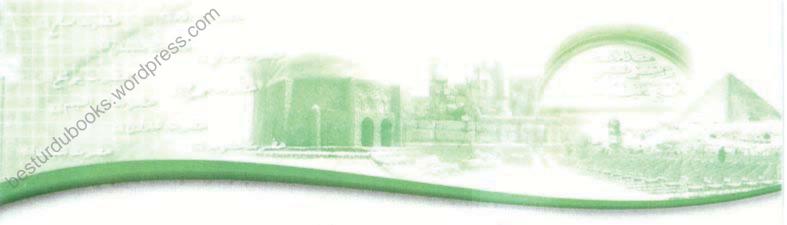
سلسلہ در سلسلہ تعمیر کیے گئے مکانات جو آج بھی فن تعمیر کے شاہکار ہیں
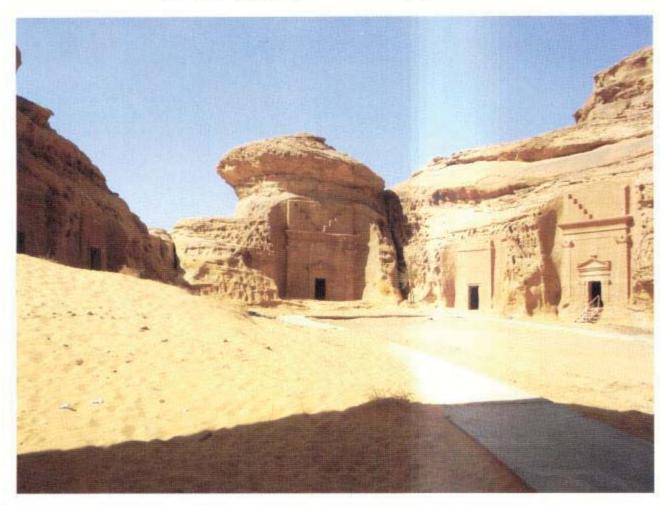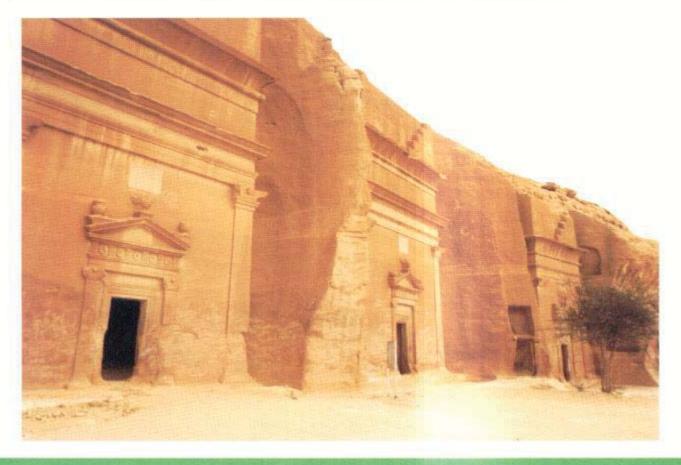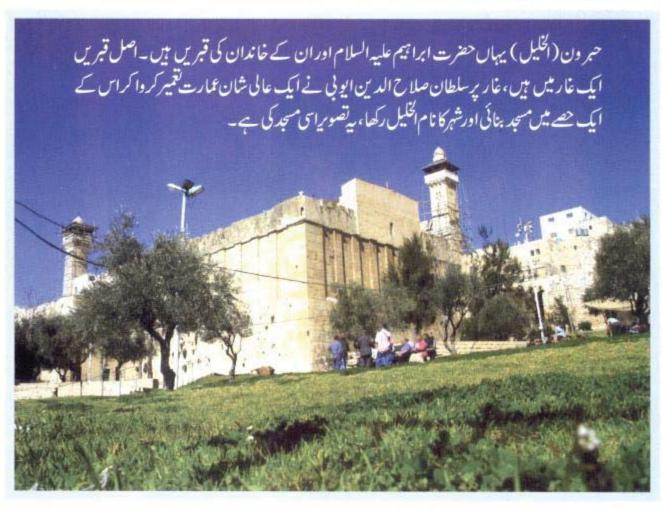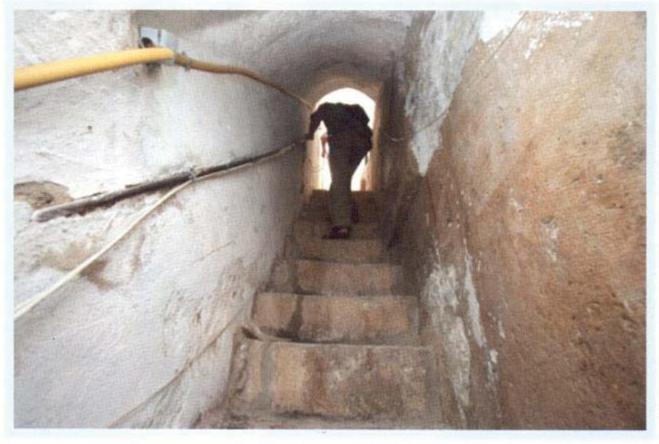
غار کی طرف جانے والی سیڑھیاں

روضۂ حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا مقبرہ، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں
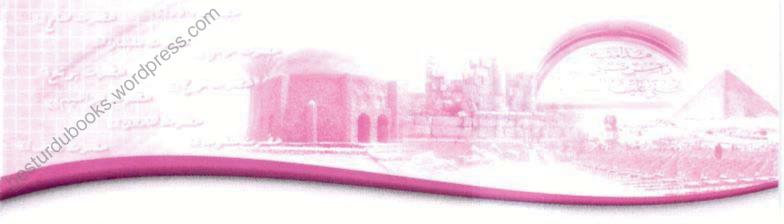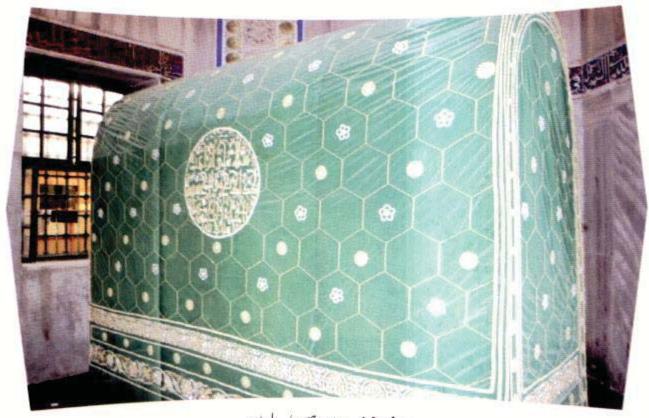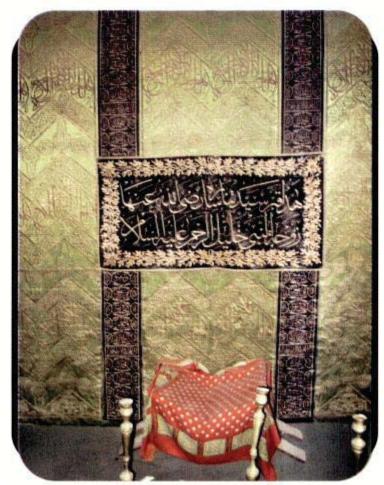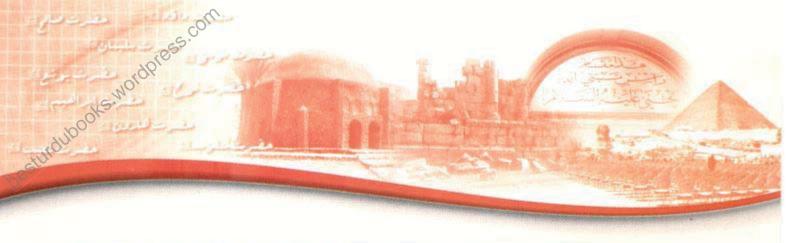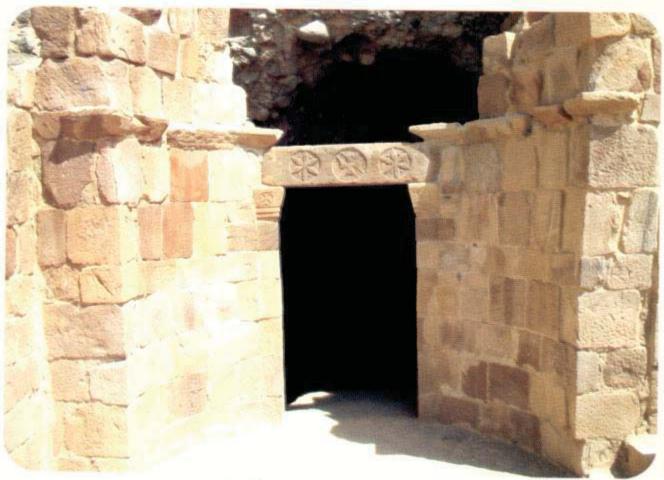
اس غار کا دہانہ جسے حضرت لوط علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے

بحر میت، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اس کے آس پاس ہی آباد تھی، اس کے آثار کھدائی سے ظاہر ہوئے ہیں

اُردن میں واقع مسجد شعیب علیہ السلام کے مختلف مناظر
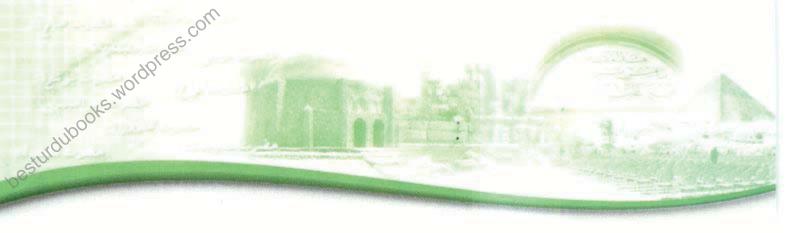
بحیرہ قلزم کے مشرقی کنارے اور عرب کے شمال مغرب میں مدائن شعیب ایسی جگہ آباد تھا جو شام سے متصل علاقہ حجاز کا آخری حصہ ہے، یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم آباد تھی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر مبارک

حضرت ایوب علیہ السلام کی قبر مبارک (شام)

کوہِ طور، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کیا کرتے تھے

کوہِ طور کی چوٹی جس پر مسجد اور چرچ بنے ہوئے ہیں

کوہِ طور کے دامن میں سینٹ کیتھرین عیسائی عبادت گاہ میں یہ جلتی جھاڑی کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ یہی وہ جھاڑی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ لگی ہوئی نظر آئی تھی۔

کوہ طور کے دامن میں موجود ہارون علیہ السلام کا مقبرہ اور نشاندہی کے لیے نصب بورڈ

عیونِ موسیٰ، مصر میں بحرِ احمر عبور کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سینا میں آئے تو اللہ کے حکم سے عصا چٹان پر مارا جس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، زیرِ نظر تصویر اسی چٹان کی ہے

عیونِ موسیٰ اس عمارت کے اندر ہے

اُردن (Jericho) اریحانامی مقام پر مسجد ومقبرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نہر سوئز سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر وہ مقام جہاں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے اس وقت قیام کیا جب اُنہوں نے فرعون سے بچ کر دریا کو معجزاتی طور پر عبور کیا۔ اسی جگہ پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے بنی اسرائیل کے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے، کچھ چشمے اب تک موجود ہیں۔
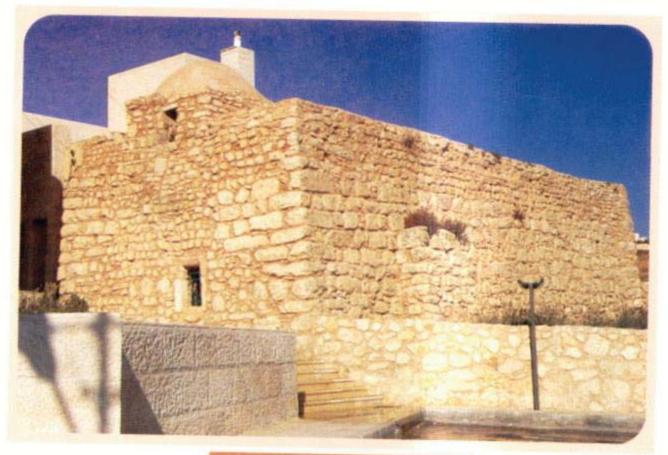
اُردن میں مسجد و مقبرہ حضرت یوشع علیہ السلام
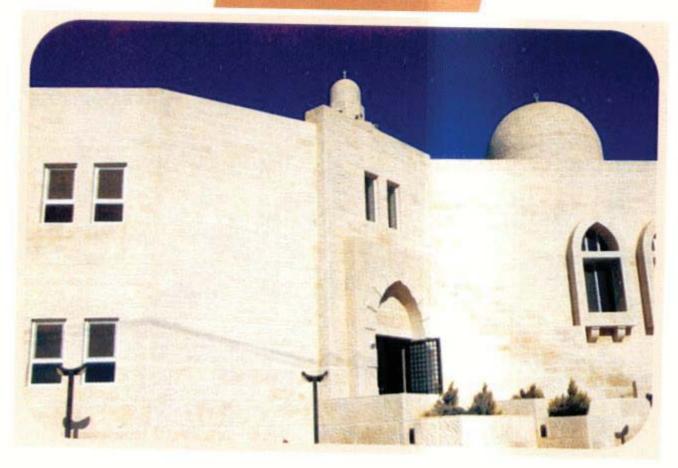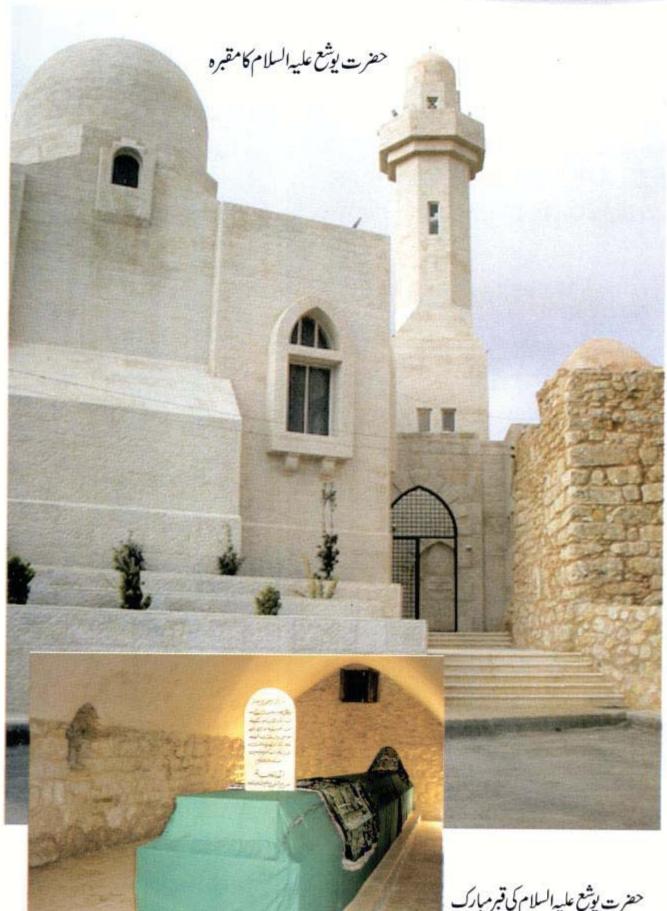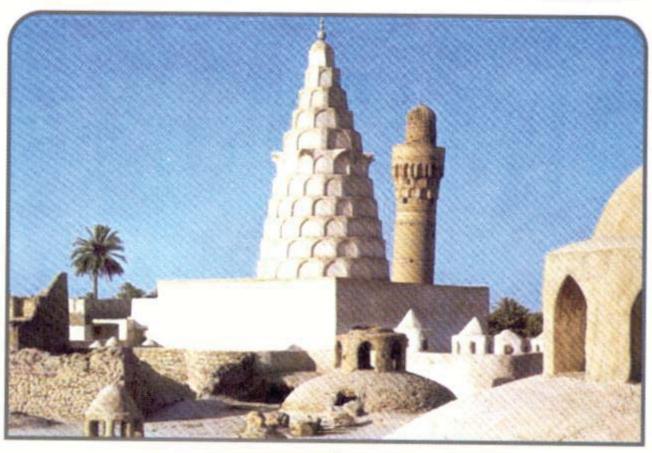
حضرت یوشع علیہ السلام کا مقبرہ

حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر مبارک

جنوبی بغداد میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا مزار مبارک

مزار کے اندرونی مناظر

فلسطین میں بحر میت کا ایک منظر

مینار حضرت شمویل علیہ السلام

حضرت شمویل علیہ السلام کے مقبرے کا اندرونی منظر، یہ جگہ فلسطین میں ہے
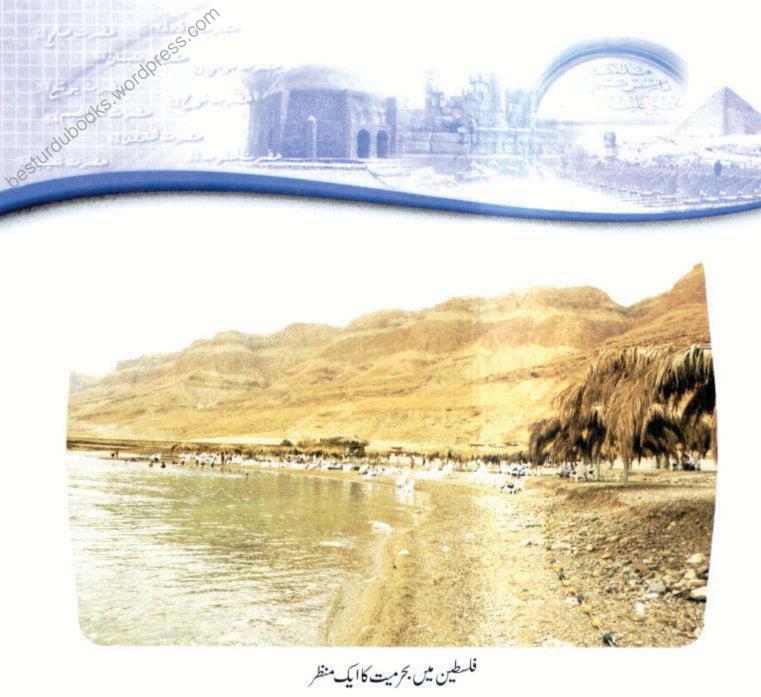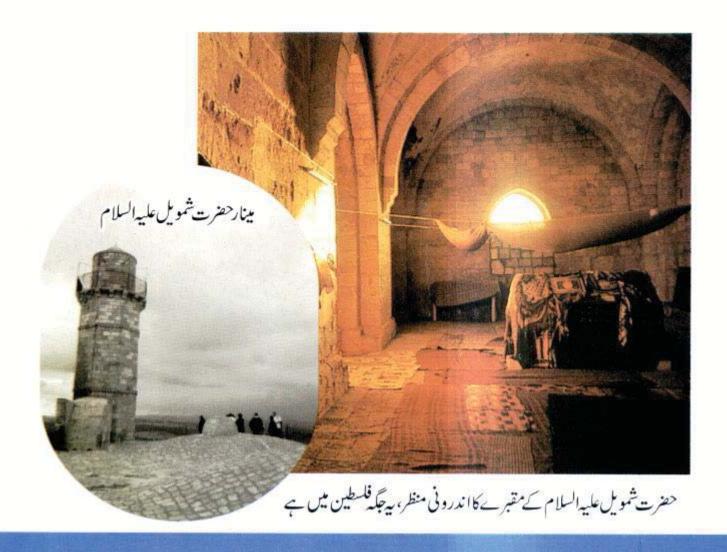
بیت المقدس کے قریب وہ مینار جو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے،
اسی مقام پر حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک بھی موجود ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک

مسجد اقصیٰ: جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل جنات سے کروائی تھی۔ حرمین وشریفین کے بعد روئے زمین کا تیسرا مقدس ترین مقام ہے۔ یہاں بے شمار انبیاء علیہم السلام، جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام سجدہ ریز ہوتے رہے۔
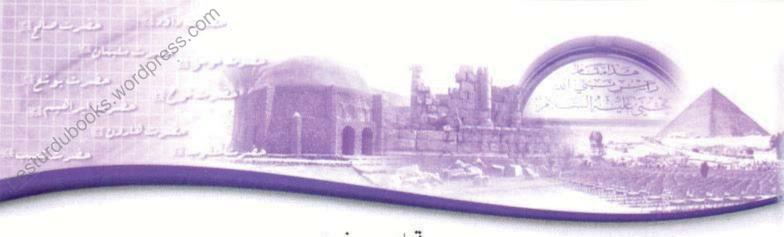
مسجد اقصیٰ کا اندرونی منظر
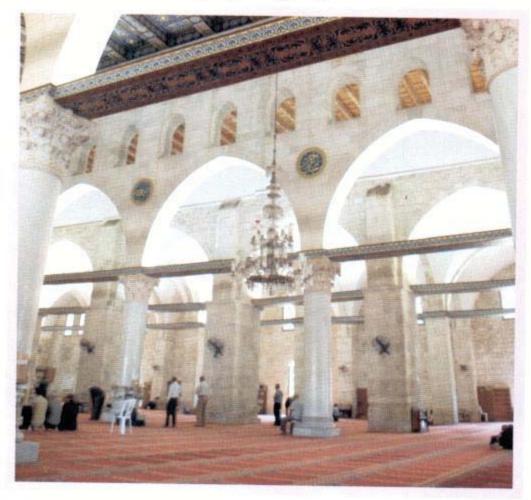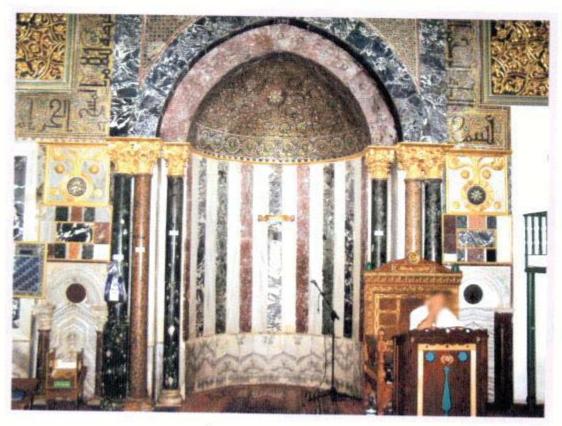
محراب کے اوپر کیے گئے خوبصورت نقش و نگار

دمشق میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب قلعہ
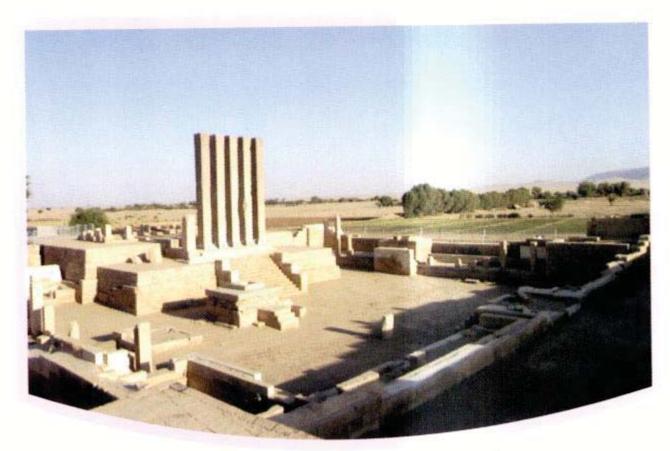
یمن میں ملکہ سبا (بلقیس) کا مقام، یہ وہ جگہ ہے جہاں ملکہ سبا کا تخت رکھا جاتا تھا اور اس کا تذکرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں آیا ہے
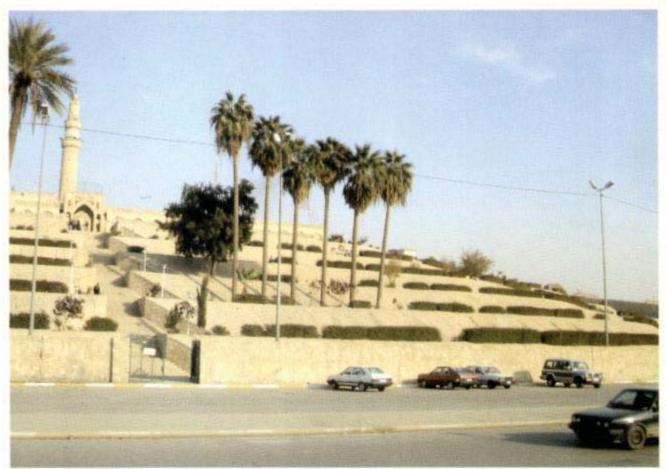
عراق (نینوا) کے مقام حضرت یونس علیہ السلام کا مقبرہ اور مسجد، ان کی قوم یہیں آباد تھی۔
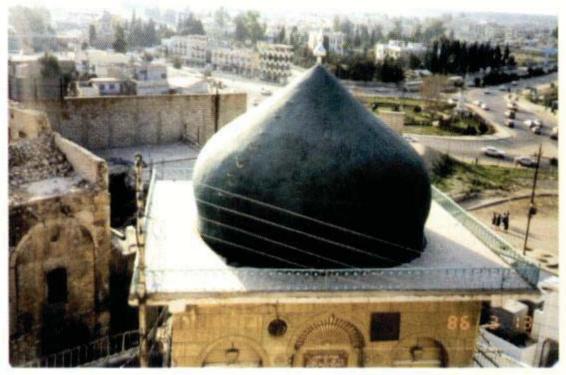
حضرت یونس علیہ السلام کے مقبرہ کا گنبد
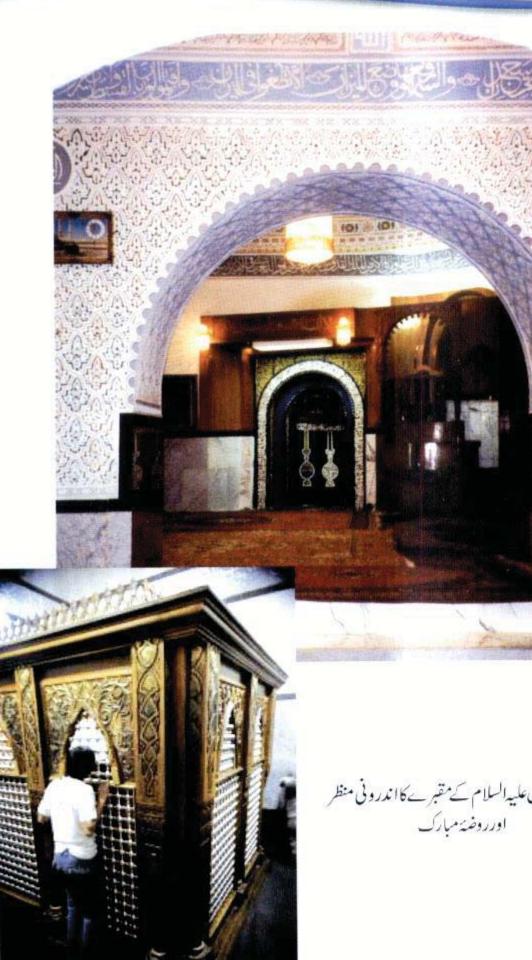
حضرت یونس علیہ السلام کے مقبرے کا اندرونی منظر
اور روضہ مبارک

عراق میں دریا دجلہ کے کنارے حضرت عزیر علیہ السلام کا مزار مبارک جو فن تعمیر کے بے مثال تاریخی نمونوں میں سے ایک ہے
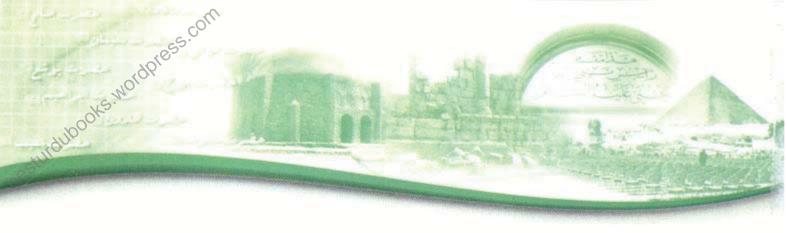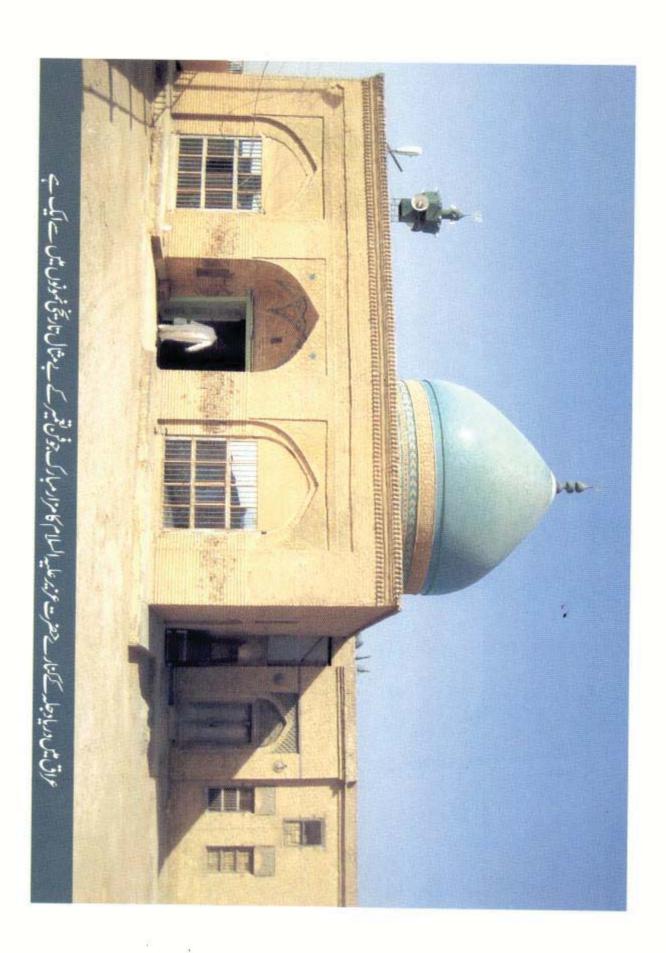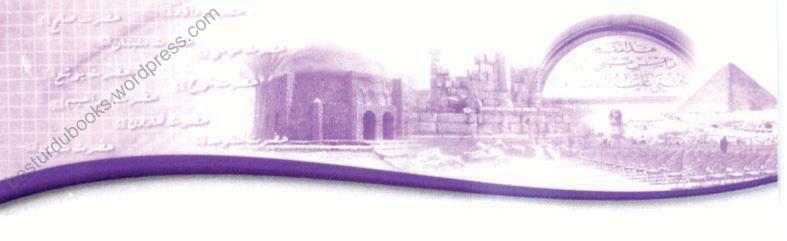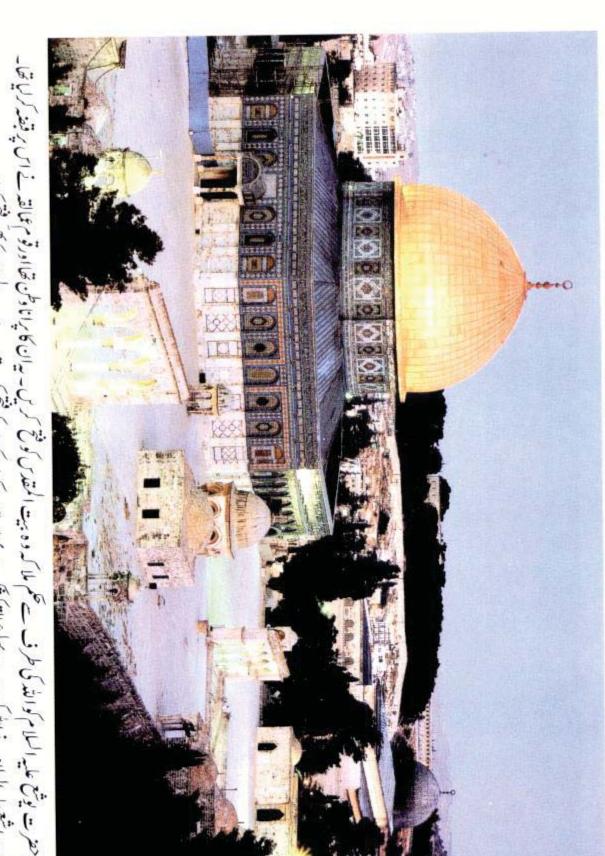
- حضرت یوشع علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ بیت المقدس کو فتح کریں۔ یہ ان کا پرانا وطن تھا اور قوم عمالقہ نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے اللہ کی مدد سے پہلے عمالقہ کو شکست دی اور اس کے بعد کنعان کو فتح کرتے ہوئے بیت المقدس کو بھی فتح کرلیا۔
- حضرت ذکریا علیہ السلام بیت المقدس کے خادم اور امام رہے اور یہیں تدفین ہوئی۔
- بیت المقدس میں حضرت مریم علیہا السلام واحد خاتون ہیں جو خادمہ کی حیثیت سے رہیں اور ان کے لیے بے موسم پھل اُترتے رہے۔

دمشق کے پرانے شہر کے درمیان قائم جامع مسجد اموی، جس کے ایک حصے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک مدفون ہے

بیر یحییٰ علیہ السلام: مسجد کے صحن میں موجود کنواں جس کی نسبت یحییٰ علیہ السلام کی طرف ہے

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک مدفون ہے۔ جامع مسجد اموی کی تعمیر کے دوران ایک غار دریافت ہوا، خبر ملنے پر ولید بن عبدالملک خود اس غار میں داخل ہوئے تو ایک صندوق میں انسانی سر رکھا ہوا تھا، صندوق پر لکھا ہوا تھا کہ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ہے۔ اس وقت تک ان کے چہرے، بشرے اور بالوں میں ذرہ برابر بھی تغیر نہیں آیا تھا۔
حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک کو مسجد اموی کے ہال میں اس جگہ دفن کر دیا گیا۔

روضہ مُبارک کا دروازہ
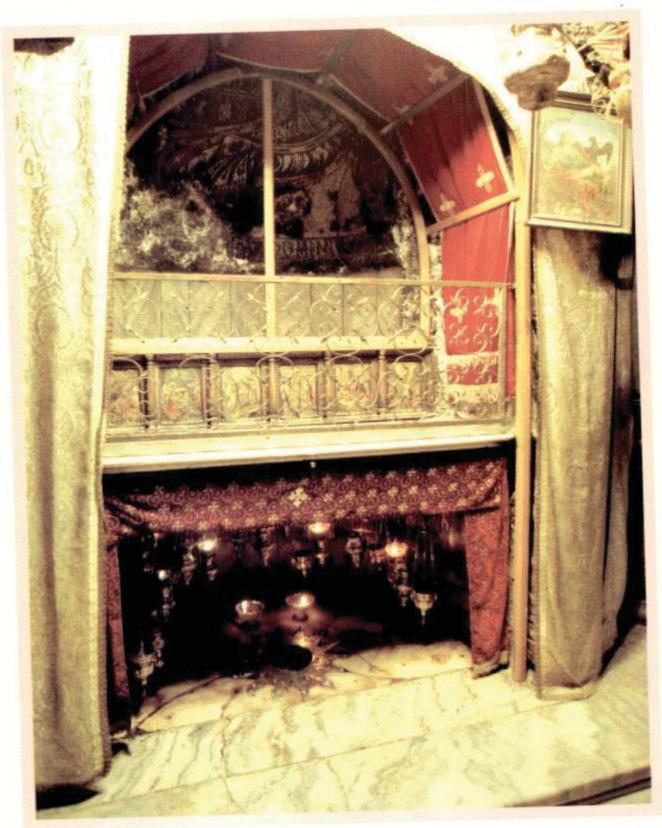
فلسطین کے شہر بیت اللحم میں موجودہ جگہ جو حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش کے طور پر مشہور ہے

شام میں واقع مسجد اموی ، جہاں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی قیادت فرمائیں گے